[illegible]

مجموعہ

سیرت الرسول ﷺ

حصہ دوم

زیر نگرانی

شیخ محمد احمد برانق

ترجمہ

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

مہتمم، جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

صدر، مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، کراچی

دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی ۷۴۸۰۰

toobaa-elibrary.bl

فہرست (جلد دوم)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۷	غزوۂ احزاب	۴۵۸
۱۸	ادب و پاکدامنی	۴۹۲
۱۹	صلح حدیبیہ	۵۲۹
۲۰	غزوۂ خیبر	۵۶۲
۲۱	عمرۃ القضاء	۵۹۴
۲۲	فتح مکہ	۶۲۹
۲۳	غزوۂ حنین	۶۶۴
۲۴	غزوۂ تبوک	۶۹۶
۲۵	کمال و تکمیل	۷۲۸
۲۶	کمالِ انسانیت	۷۶۰
۲۷	رحلتِ نبویؐ	۷۹۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

١٦

غزوۂ احزاب

«وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ.
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ
مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ
بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ
مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ»

اور آپ نہ سمجھیں مردہ ان لوگوں کو
جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں بلکہ
وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس
کھاتے پیتے، خوشی کرتے ہیں اس پر جو
دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور
خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو
ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان
کے پیچھے سے اس لیے کہ نہ ان پر ڈر ہے
اور نہ ان کو غم ہے۔

(آل عمران ۔ ۱۶۹ و ۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے بالکل درست و سچا وعدہ فرمایا اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کا جو پیغام اپنے مسلمان متبعین کو پہنچایا وہ بالکل سچا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پکے مومن پیروکار جنگوں اور جہاد میں اپنی جان و نفس کی قطعاً نہ پرواہ کرتے تھے، نہ اس کے بارے میں بخل سے

کام لیتے تھے۔ اس لیے کہ اگر وہ دشمن پر فتحیاب ہو گئے تو انہیں نصرتِ خداوندی اور اللہ کی رضا حاصل ہو گئی اور اگر وہ مارے گئے تو شہادت کا درجہ پا کر اس جنت کی بشارت کے مستحق بن گئے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنگِ احد میں باوجودیکہ شکست ہوئی تھی اس سے اگرچہ یہود کو خوشی اور مشرکین کو سرور اور منافقین کو ہنسنے اور شماتت کا موقعہ تو ملا لیکن اس سے صحابہ کے نفوس میں بزدلی یا ضعف قطعاً پیدا نہ ہوا بلکہ جنگ احد کی صبح کو ہی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہہ کر قریش کے کفار کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے تھے تا کہ اگر وہ لوگ لوٹ کر مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنا چاہیں تو ان کو روک دیا جائے اور ان کے دانت کھٹے کر دیئے جائیں۔

اور ہوا بھی یہی کہ قریش نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تا کہ مدینہ منورہ کو آسانی سے فتح کر سکیں۔ اس لئے کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی قوت کمزور پڑ چکی ہے اور ان کی معنوی طاقت ضعیف ہو چکی ہے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ مسلمان ان سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں تو وہ دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے بلکہ انہوں نے فتحیاب اور صحیح سالم مکہ مکرمہ واپس لوٹنے کو اس پر ترجیح دی کہ وہاں ناکام و شکست خوردہ ہو کر لوٹیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جنگِ احد کے بعد کچھ دن ایسے گذرے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے مختلف قبائل کے درمیان کئی معرکے ہوئے اور بہت سی جھڑپیں ہوئیں جن میں سے بعض میں مسلمان فتحیاب ہوئے تھے اور مال غنیمت حاصل کر چکے تھے اور بعض میں کچھ مسلمان حضرات شہید ہوئے ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ بنو نضیر کے مدینے سے جلا وطنی کا تھا۔ ہوا یوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر کی خیانت اور غدر اور آپ کو اچانک قتل کرنے کی سازش کا علم ہوا تو آپ نے انہیں جلا وطن کرنے کا حکم دے دیا۔ اس جلا وطنی کی وجہ سے ان یہودیوں کے دل حسد و کینہ سے بھر گئے اور وہ آپ کے خلاف مکر کرنے لگے اور یہ کوشش کرنے لگے کہ آپ کے خلاف لڑنے کے لئے اہل عرب کو اکٹھا کر دیا جائے۔

غزوۂ احد کے موقعہ پر قریش نے مسلمانوں کو اگلے سال مقام بدر پر لڑنے کی جو دھمکی دی تھی قریش اس پر عمل نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے وفود کو بھیجنا شروع کیا جو مسلمانوں کی وحدت کو ختم کر سکیں اور ان کو ڈرا دھمکا سکیں ——

—— اور ان کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ قریش کا لشکر بہت بڑا ہے ان کے افراد و ساز و سامان جنگ کی مقدار بہت زیادہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا نہ آپ ڈرے اور نہ اپنے ارادے سے باز رہے اور آپ نے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ مقررہ وقت پر جنگ و قتال کے لئے

ضرور نکلیں گے خواہ آپ کو تن تنہا کیوں نہ نکلنا پڑے۔

چنانچہ آپ کے صحابہ کرام آپ کے ساتھ نکل پڑے ان کے ساتھ تجارت کا وہ سازوسامان بھی تھا جو بدر کے بازار میں فروخت کرنا تھا جہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا۔ بدر پہنچ کر حضرات قریش کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔

قریش بھی مجبوراً مسلمانوں کے لشکر سے ٹکرانے کے لئے نکل پڑے لیکن نہ تو وہ اپنا سفر جاری رکھ سکے اور نہ ہی اپنی ہمت و عزم کو قابو میں رکھ سکے۔ اور لشکر کے سردار ابوسفیان نے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے لشکر میں یہ اعلان کیا: اے قریش کی جماعت! تمہارے فائدہ و نفع کا سال وہ سال ہے جو سرسبز و شاداب ہو لیکن یہ سال تو قحط سالی کا ہے۔ اس لئے میں تو واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس لوٹ چلو۔

اور اس طرح سے لشکرِ قریش الٹے پاؤں واپس ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر سمیت وہاں آٹھ دن تک قریش کی آمد کے منتظر رہے اور جب وہ لوگ نہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اس عرصہ میں بدر کے بازار میں مسلمانوں نے خوب تجارت کی اور نفع بھی کمایا، واپسی پر مسلمانوں کے لشکر کی زبانوں پر اللہ کے انعامات اور قریش کی بزدلی اور مسلمانوں کا آمنا سامنا کرنے سے کتراتے اور الٹے پاؤں بھاگنے کا تذکرہ تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

tooba-elibrary.blogspot.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور پھر سے دعوت اسلام کے پھیلانے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی حتیٰ کہ آپ کی جہاد اور مقابلوں کا میدان حجاز سے شام کے اطراف تک پھیل گیا۔

اس واقعہ کے بعد قریش نے پھر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کا ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ بنو نضیر جن کو آپ نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ ان کے سردار قریش کے پاس آئے جن میں حیی بن اخطب اور سلام بن ابی الحقیق وغیرہ کئی سردار تھے جنہوں نے قریش کو اپنے ساتھ ملا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی یہ کہہ کر دعوت دی کہ: ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ ہیں جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیخ کنی اور استیصال نہیں ہو جاتا اور ہم اس بات پر آپ لوگوں سے معاہدہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ بات سن کر قریش کے سینہ کی آگ پھر سے بھڑک اٹھی اور انہوں نے ان کی دعوت پر مرحبا خوش آمدید کہتے ہوئے کہ: آپ لوگوں کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں اور ہمیں سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہماری مدد کرے۔ پھر قریش نے ان سے پوچھا: اے یہود کی جماعت آپ لوگ پہلی کتاب والے ہو، علم تمہارے پاس ہے ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ایک اختلاف ہے اس لئے آپ لوگ بتائیں کہ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین؟

یہودیوں نے جواب دیا، تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ حق کے قریب ہو۔

یہودیوں نے اس طرح بڑی مکاری اور ریاکاری کر کے قریش کے سرداروں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مرتے دم تک جنگ کرنے کا معاہدہ کر لیا اور اس دن کے لئے آپس میں ایک وقت مقرر کر لیا اور یہود نے صرف قریش کے ساتھ معاہدہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ دوسرے ان عرب قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے اور جن یہود اور مشرکین کو اپنے ساتھ ملا سکے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں یہ لالچ دلایا کہ اگر وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئے تو انہیں خیبر کے پھلوں کی ایک سال کی آمدنی دے دی جائے گی۔

اسی طرح یہ یہودی دیگر قبائل کے پاس بھی گئے جن میں سے بنو سلیم، بنو اسد، بنو فزارہ، بنو اشجع اور بنو مرہ بھی ہیں ان کو جنگ پر ابھارا اور لالچ و طمع دلائی اور اس طرح سے جزیرہ عرب کے یہود اور مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور اس طرح سے تاریک و سیاہ دل اور مجرم و گندی ذہنیتیں حق سے جنگ کرنے اور ایمان کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو گئیں۔ اور ایک عظیم الشان لشکر جس کے جنگجوؤں کی تعداد

دس ہزار ایسے افراد پر مشتمل تھی جو اسلحہ سے لیس تھے یہ سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے چل پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب اس عظیم لشکر کی اطلاع ملی جس میں بہت سے قبائل اور جزیرہ عرب کے اطراف کے لوگ یکجا جمع ہو کر مدینہ کا رُخ کر چکے تھے تو سوچنے کی بات یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اس جیسے لشکر کا مقابلہ کس طرح کریں گے اور اس کے لئے کیا تدابیر اختیار کریں گے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مشورہ کے لئے جمع کیا تو سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ مدینہ کو نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ یہیں رہ کر دشمن سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔

حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے تاکہ مدینہ منورہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہے۔ یہ تدبیر فارس کے کسریٰ اختیار کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تدبیر پسند آئی اور آپ نے اس پر فوری عمل کرنے کا حکم دے دیا۔

مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کرنے میں نہایت چستی دکھلائی اور زبردست نشاط کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ کدالیں، پھاوڑے کلہاڑیاں اور ٹوکریاں اکٹھا کی گئیں جن کی اکثریت مسلمانوں نے اپنے حلیف و معاہدین بنو قریظہ والوں سے عاریۃً لی تھی۔

۵ھ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور نقشہ کے مطابق مدینہ منورہ کے شمالی جانب میں مشرقی قلعوں سے مغربی قلعوں تک خندقیں کھودنا شروع ہو گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر جماعت کو ایک حصہ کا ذمہ دار بنا دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بھی مسلمانوں کے ساتھ کام میں عملاً حصہ لیتے رہے تاکہ ان کی ہمت افزائی ہو اور وہ اور محنت سے کام کر سکیں۔

مسلمانوں نے نہایت محنت سے کام شروع کر دیا اور خندق کھودنے لگے اور اس کی مٹی جبل سلع (ایک پہاڑ کا نام ہے) کی جانب منتقل کرتے اور وہاں سے پتھر اپنی ٹوکریوں میں بھر کر لے آتے اور خندق کے کنارے پر ان کو لگا دیتے تاکہ بوقت ضرورت دشمن کے خلاف ان کو استعمال کر سکیں۔ ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے اس کے ان اطراف میں جو غیر محفوظ تھے ان میں خندق کھود کر تیار ہو چکی تھی حتیٰ کہ اس کے کناروں کو مضبوط بھی کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کا لشکر نکل کھڑا ہوا اور جہاں پڑاؤ ڈالنے کا آپ نے حکم دیا تھا اس جانب روانہ ہو گیا اور یہ وہ حصہ تھا جو جبل سلع اور خندق سے تقریباً دو فرسخ کے فاصلہ پہ واقع تھا۔ مجاہدین کے ساتھ مدینہ منورہ کے چند نو عمر لڑکے بھی نکلے جو اپنے والدین

اور بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ اپنے دین و وطن سے مدافعت کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میدان کارزار میں طلب کیا اور جس کی عمر پندرہ سال سے زائد تھی۔ اس کو اجازت دے دی لیکن جس کی عمر اس سے کم تھی اسے واپس کر دیا۔

ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ مشرکین کے لشکر کا اگلا حصہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو یہ خیال تھا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احد پہاڑ کے پاس پالے گا لیکن اس کو جب آپ وہاں نہ ملے تو وہ اپنے لشکر کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیا اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا اور غطفان والوں اور ان کے ساتھی نجد والوں نے جبل احد کے پاس پڑاؤ ڈالا۔

مشرکین کے لشکر کے جاسوس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لشکر کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے نکل پڑے لیکن اچانک انہوں نے خلاف توقع ایک ـــــ چیز دیکھی ـــــ ایسی چیز جوان کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی اور وہ خندق تھی جس نے مدینہ منورہ کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ اس خندق کو اس لئے بنایا گیا کہ وہ مدینہ منورہ اور مشرکین کے اس لشکر کے درمیان حائل ہو جائے جوان کو نیست و نابود کرنے کے لئے جمع کیا گیا تھا؟ یہ جاسوس لشکر والوں کے پاس نہایت منحوس

خبر لے کر گئے اور مشرکین پر بجلی سی گر گئی اور وہ کہنے لگے: یہ تو ایسی تدبیر ہے کہ جسے اہلِ عرب اختیار نہیں کر سکتے۔

مسلمان مجاہدین کو دشمن کے لشکر کے پہنچنے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کے پڑاؤ کی جگہ اکٹھا ہو گئے اور جبل سلع کے کنارہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سرخ رنگ کا جو خیمہ لگایا گیا تھا آپ اس میں تشریف لے آئے اور اپنے تقریباً تین ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کے کئی حصے کر دیئے اور خندق پر جماعتیں بنا دیں۔ کسی جماعت کا کام یہ تھا کہ وہ خندق کی نگرانی کرے اور کسی کا کام یہ تھا کہ کمزور حصوں پر نظر رکھے اور باقی لشکر والے اپنی کمانوں کو تھام کر خندق کا رُخ کر کے بیٹھ گئے۔

قریش نے خندق کو پھلانگنا چاہا لیکن نہ پھلانگ سکے اور اسی اثناء میں مسلمانوں نے ان پر تیروں کی بارش برسا دی جس کی وجہ سے وہ واپس ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح سے شام تک دونوں لشکر ایک دوسرے پر تیر برساتے رہے اور پھر رک گئے۔ دوسرے دن قریش کے آدمیوں نے دوبارہ خندق کو پھلانگنا چاہا لیکن پھر وہی حشر ہوا جو کل ہوا تھا اور وہ اس کو پھلانگ نہ سکے۔ اور نہایت غصہ اور طیش کے عالم میں واپس ہو گئے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اس سلسلہ میں ان کی تمام محنتیں رائیگاں جائیں گی۔ ہواؤں کے تیز چلنے اور سخت سردی نے ان کے غصہ اور ناراضگی کو اور بڑھا دیا۔ سردی

ry.blogspot.com

اتنی شدید تھی کہ انسان کو ہلاک کر دے اور رگوں میں خون جم جائے۔

لشکر والوں نے اپنے آپ کو ملامت کرنا اور یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے؟ حیی بن اخطب کو یہ ڈر ہوا کہ لوگ اپنے آپ کو ملامت کر کے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اگر صورت حال کا کسی ایسی تدبیر سے تدارک نہیں کیا گیا جس سے لشکر والے ثابت رہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہل عرب کو جنگ کے لئے جمع کرنا بے سود و رائیگاں چلا جائے گا۔ اس کی خاطر حیی بن اخطب ابوسفیان کے پاس آیا اور اس سے کہا:

میری قوم قریظہ والے تمہارے ساتھ ہیں اور وہ نہایت طاقتور ہیں

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ پھر تو تم ان کے پاس جاؤ اور ان کو یہ مشورہ دو کہ وہ اس عہد کو توڑ ڈالیں جو ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔

چنانچہ حیی بنو قریظہ کے قلعوں کی جانب گیا تاکہ ان سے کسی تدبیر سے اس عہد کو تڑوا دے جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔

بنو قریظہ کے اس سردار نے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اس نے حیی بن اخطب کے آنے کو تاڑ لیا اور قلعہ کا دروازہ بند کر دیا اور اس سے ملنے سے انکار کر دیا اور وہ سمجھ گیا کہ حیی کس غرض سے آیا ہے جس نے قلعہ کے پیچھے سے ہی اسے آواز دی اور قسم دی کہ وہ اس کے لئے دروازہ

۹۶۹م toobaa-elibra

کھول دے اور اس سے کہا، تم نے قلعہ کا دروازہ اس لئے بند کرا یا ہے تاکہ میں تمہارے ساتھ تمہارے کھانے میں شریک نہ ہو سکوں۔

یہ سن کر کعب کو غصہ آگیا اور اس نے حیی کے لئے دروازہ کھول دیا تو حیی نے کہا: اے کعب تمہیں کیا ہو گیا ہے میں تو تمہارے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایسا لشکر لایا ہوں جو عظیم الشان ہے۔ میں تمہارے پاس قریش و غطفان کا لشکر ان کے تمام سرداروں اور قائدین سمیت لایا ہوں اور ان سب کے سب نے مجھ سے یہ عہد اور وعدہ کیا ہے کہ وہ یہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹیں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی بیخ کنی نہ کر دیں۔

کعب نے کہا، تم تو میرے پاس ساری عمر کی ذلت ورسوائی لے کر آئے ہو اس لئے کہ میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو ہر گز نہیں توڑ سکتا اس لئے کہ میں نے انہیں سچا اور وعدہ پورا کرنے والا ہی پایا ہے۔ حیی یہ سن کر بھی مایوس نہیں ہوا اور کعب کو اپنا یہودی ہونا یاد دلاتا رہا اور یہ جتلانے لگا کہ یہود کی ذلت ورسوائی اور سیادت و عزت ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالیں اور ان یہود اور دوسرے لشکروں کے درمیان راستہ آزاد چھوڑ دیں چنانچہ بنو قریظہ والے سیلاب کی مانند

ry.blogspot.com

ان لشکر والوں سے جا ملیں گے اور اس طرح سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ذرا سی دیر میں کام تمام کر دیں گے اور اس طرح سے جزیرہ عرب یہودیوں کے دین کے لئے خالی ہو جائے گا۔

کعب کے دل پر اس بات کا اثر ہوا اور یہ بات اس کے دل میں اترنے لگی لیکن کعب ابھی عہد توڑنے کے سلسلہ میں متردد رہے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش و غطفان والے شکست کھا کر واپس ہو جائیں اور انہیں (یعنی بنو قریظہ کو) تن تنہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدمقابل چھوڑ جائیں۔ اور پھر ان کا حشر بھی وہی ہو جو حشر بنو قینقاع اور بنو نضیر کا ہوا۔ لیکن کعب کے تمام شکوک و شبہات ذرا سی دیر میں دور ہو گئے اور حیی کے اس وعدہ کے بعد کہ اگر کافروں کے لشکر شکست کھا گئے تو حیی بھی کعب کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے قلعہ میں رہے گا اور اس تمام ذلت و رسوائی کو ان کے ساتھ مل کر برداشت کرے گا جو ان لشکروں کی شکست کی صورت میں اٹھانا پڑے گی۔ حیی کو یہ پختہ یقین تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شکست دینا اس کے ہاتھ میں ہے اور ان کو شکست دینے میں صرف اتنا وقت لگے گا جتنی دیر میں بنو قریظہ تیار ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بنو قریظہ کے عہد توڑنے اور کافروں کے لشکر کے ساتھ مل جانے کی اطلاع ملی جب کا ان

حضرات پر بہت شدید اثر ہوا۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کے ان کافروں کے ساتھ ملنے سے مسلمانوں کو اپنے لشکر اور اپنے شہر کے لئے شدید خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اور یہ بات بھی تھی کہ بنو قریظہ کے ان کے ساتھ ملنے اور عہد توڑنے سے مسلمانوں کے غلہ کا راستہ بند ہونے اور دشمنوں کے ساتھ ان کے مل جانے سے دشمنوں کو مسلمانوں تک پہنچنے کے لئے آسان راستہ مل جانے کا خطرہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح صورت حال معلوم کرنے اور اس خبر کی تصدیق کے لئے اپنے آدمی بھیجے اور وہ یہ خبر لے کر واپس آئے کہ اطلاع بالکل صحیح اور درست ہے اس لئے کہ انہوں نے یہودیوں میں نقل و حرکت اور قلعہ کے اندر تیاری کرنے کو واضح طور سے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادۃ اور اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ (جو کہ قریظہ کے حلیف تھے) کو بنو قریظہ کے سردار کعب کے پاس اس اطلاع کی تصدیق کے لئے بھیجا اور ان سے کہا کہ اگر بات واقعی درست ہو تو چپکے سے آکر مجھے خبر دے دیں تاکہ مسلمانوں کو اس سے دکھ نہ ہو اور اگر جھوٹ ہو تو کھلم کھلا سب کے سامنے بتلا دیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں قاصد جب وہاں گئے تو بنو قریظہ کو بہت خطرناک حالت میں پایا اور خیانت اور غدر کے آثار صاف کھلے ہوئے محسوس کرلئے اور ان کے سردار کعب سے بڑی بری باتیں سنیں

بلکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کی اور کہا: کہ اللہ کے رسول کون ہیں؟! ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان نہ کوئی معاہدہ ہے نہ عہد و پیمان۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ قریب تھا کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے لڑ پڑیں مگر یہ کہ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھی کو یہ کہہ کر واپس چلنے پر آمادہ کر لیا: ہمارے اور ان کے درمیان معاملہ اس سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔ (مزید کسی بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے)

دونوں قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خبر لے کر آئے اور آپ سے چپکے سے بات چیت کر لی لیکن یہ خبر جلد ہی لڑنے والے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی بلکہ تمام اہل مدینہ میں پھیل گئی اور سب پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب جبکہ قریظہ والے بھی کافروں کے لشکر سے مل گئے ہیں تو اب خندقوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اس لئے کہ قریظہ والوں نے اپنے راستے اور قلعے دشمنوں کے لئے کھول دئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگے جس کے ذریعہ سے مسلمانوں پر سے ان مختلف کافروں کی جماعتوں کے دباؤ کو کم کیا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے ایک قاصد غطفان والوں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ اگر وہ جنگ کا ارادہ ترک کر کے چلے جائیں اور کافروں کی ان جماعتوں کا ساتھ چھوڑ دیں تو انہیں مدینہ منورہ کے پھلوں کا ایک تہائی دے دیا جائے گا۔

غطفان والوں کا میلان اس مشورہ کی جانب ہو گیا اور انہوں نے ابوسفیان سے مخفی طور پہ اپنے قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاہدہ کرنے کے لئے بھیجے کہ انہیں تہائی کے بجائے کھجوروں کا نصف دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس مشورہ کے لئے آدمی بھیجا تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے یا آپ نے یہ تدبیر ہماری خاطر پسند فرمائی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں یہ تمہاری وجہ سے کر رہا ہوں تاکہ عرب قبائل جو تم سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا ہو گئے ہیں ان کا بوجھ تم سے کچھ کم کر دیا جائے۔ حضرت سعد نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہمیں عزت بخشی ہے اس لئے اب ان لوگوں کے لئے ہمارے پاس صرف تلوار ہی ہے۔

غطفان کے پیغام پر یونہی واپس لوٹ گئے اور ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی بات طے نہ ہو سکی۔

غطفان سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نعیم بن مسعود اندر ہی اندر دل سے تو اسلام لے آئے تھے لیکن انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ نعیم اپنی قوم اور ابوسفیان سے چھپ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام

کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو پیش کر کے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میرے اسلام لانے کا کسی کو بھی علم نہیں ہے اس لئے آپ مجھے جس بات کا حکم دینا چاہیں دے دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نعیم تم ایک اکیلے آدمی ہو اس لئے ہم سے جتنا دور رہ سکتے ہو رہو اور جو چاہے کہتے رہو تمہیں کوئی ملامت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ نعیم وہاں سے چلے گئے اور کسی ایسی تدبیر وحیلہ کی سوچ میں پڑ گئے جس کے ذریعے ان مختلف لشکروں کو دھوکہ دے سکیں اور ان میں پھوٹ ڈال دیں۔

کافروں کے لشکروں میں نشاط پیدا ہو چکا تھا اور قریظہ والوں کے ساتھ معاہدہ کے بعد ان کے سامنے ان خندقوں کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حائل تھیں اور اب ان کے سامنے راستہ صاف اور آسان تھا بلکہ خود لشکر والوں نے اپنے تین حصے بنا لئے تھے اور خندق کا تمام اطراف سے محاصرہ کر لیا تھا تاکہ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کو مرعوب کیا جا سکے اور ان کے لئے تمام راہیں مسدود کر دی جائیں اور ان کے شہسوار صبح وشام مسلمانوں پر نیزے مارتے اور تیر پھینکتے رہتے تھے اور اس دن کے انتظار میں رہتے تھے کہ جس دن وہ اپنے حلیف اور مصیبت سے نجات

دینے والا قبیلہ بنو قریظہ والوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کر دیں۔

اس صورت حال سے مسلمان بے چین ہو گئے اور انہوں نے نہایت تنگ دلی اور گھٹن کی حالت میں رات گذاری اس لئے کہ انہیں یہود کے غدر کا اس سے زیادہ خوف تھا جو ڈر خندق کی جانب سے آنے والے دشمن سے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑنے والوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ رات کو مدینہ منورہ کے راستوں اور ٹیلوں میں صبح تک گشت کرتی رہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہودی غداری اور خیانت کریں اور ان بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچائیں جو اپنے گھروں اور علاقوں میں اکیلے اور تنہا ہیں۔

یہود غداری کرنے کے بعد مسلمانوں کے حالات جاننے کی جستجو میں لگے رہتے تھے تاکہ اپنے حملہ کرنے کے لئے راستہ کو منتخب کر سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے یہودیوں کی ایک جماعت نکلی لیکن مسلمان ان کے مذموم مقصد کو سمجھ گئے اور ان سے جنگ کر کے انہیں بھگا دیا۔

مسلمانوں کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ کے پاس سے ایک یہودی گذرا اور قلعہ کے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ حضرت حسان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت تھی جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ انہوں نے جب اس یہودی کو دیکھا تو گھبرا کر حضرت حسان سے کہا:

۴۷۶

اے حسان تم دیکھ رہے ہو یہ یہودی قلعہ کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے۔ اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ یہودیوں سے ہماری مخبری کردے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی یہاں نہیں ہیں اس لئے تم نیچے اتر کر اس کو قتل کر ڈالو۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبدالمطلب کی بیٹی اللہ آپ کی مغفرت کرے، بخدا آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں اس لائن کا آدمی نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ کے پاس اور کوئی چارۂ کار نہ تھا اس لئے انہوں نے خود لوہے کا ایک ستون اٹھایا اور قلعہ سے نیچے اتریں اور اس سے اس یہودی کو مار مار کر قتل کر ڈالا۔ پھر جب وہ واپس لوٹیں تو انہوں نے حضرت حسان سے کہا: اے حسان جاؤ اور جا کر اس کا ساز و سامان اٹھا لاؤ میں خود اس لئے نہ لے سکی کہ وہ مرد تھا اور میں ایک عورت ہوں۔ حضرت حسان نے کہا: اے عبدالمطلب کی بیٹی مجھے ان کے ساز و سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور اس طرح سے اہل مدینہ یہود کی غداری، خیانت اور نفاق کی وجہ سے خوف و ڈر کی حالت ہی میں رہے اور اسی وجہ سے بعض جنگ کرنے والے مجاہدوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر واپس لوٹنے کی اجازت مانگی تاکہ وہاں موجود اپنی عورتوں و بچوں کی حفاظت کر سکیں۔

دوسری طرف منافقین مسلمانوں کو زبانی ایذا پہنچاتے رہے اور ان کے ارادوں کو پست کرنے اور ان کے دلوں و نفوس میں خوف و ڈر بٹھانے کی کوشش کرتے رہے اور یہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہم سے یہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں کسریٰ اور قیصر کے خزانے ملیں گے لیکن آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے نکلتے ہوئے بھی اپنی جان جانے کا خوف کرتے ہیں۔

کافروں و مشرکین کی جماعتیں کئی دن تک بنو قریظہ کے منتظر رہیں تاکہ وہ ان کے لیے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچنے کا راستہ کھول دیں اور اس عرصہ میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان خندق کے پیچھے سے تیر اندازی اور نیزہ بازی ہوتی رہی اور ان کے شہسوار خندق کے کناروں پر نہایت تکبر غرور اور اکڑ کے ساتھ صبح و شام چکر لگاتے رہتے تھے اور ایک روز ان کی ایک جماعت نے خندق میں ایک تنگ سی جگہ پائی جہاں پہرہ و نگرانی بھی زیادہ سخت نہ تھی۔ چنانچہ وہ تکبر و غرور میں اسے گھوڑوں سمیت پھلانگ گئے اور خندق اور جبل سلع کے درمیان دوڑنے لگے لیکن فوراً ہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ہمراہ ان کے مقابلہ پر آ گئے اور سرحد کے اس مقام پر ان کو گھیر لیا جہاں سے پھلانگ کر وہ لوگ آئے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک دوسرے کے مدمقابل آنے والوں میں عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن الخطاب اور عمرو بن عبدِ وُد بھی تھا جو میدان کارزار کے وسط میں مقابلہ کا چیلنج دینے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت علی آگے بڑھے تو عمرو نے ان کو معمولی اور کمزور سمجھتے ہوئے کہا: بھتیجے تم ایسا کیوں کر رہے ہو میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا: لیکن میں تو تمہارے قتل کرنے کا خواہشمند ہوں۔ یہ سن کر عمرو حمیت اور غیرت میں آگیا اور غصہ میں تلوار لے کر حضرت علی پر حملہ کرنے جھپٹا۔ حضرت علی بھی اس پر حملہ آور ہوئے اور ایک دوسرے پر وار کرتے رہے اور تھوڑی سی دیر میں عمرو حضرت علی کی تلوار کے وار سے زمین پر تڑپنے لگا۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کلمہ باواز بلند پڑھا اور عمرو کے دوسرے مشرک ساتھی ڈر کر دم دبا کر بھاگ گئے اور جہاں سے آئے تھے وہیں واپس ہو گئے۔

خندق عبور کرنے کی یہ خبر مشرکوں میں پھیل گئی تو بہت سے اور مشرکین نے بھی خندق کو عبور کرنے اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ سورج غروب ہونے اور تاریکی پھیلنے کے بعد ایک اور جماعت آئی اس جماعت کے ہراول دستہ میں نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ تھا۔ اس نے خندق عبور کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی وہ بھی خندق

پھلانگنے بھی نہیں پایا تھا کہ گر گیا اور نوفل کی گردن ٹوٹ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ساتھی دہشت زدہ ہو گئے اور واپس ہو لئے۔ ابوسفیان نے مسلمانوں سے اس کی لاش اور دیت یعنی سو اونٹوں کے بدلے واپس مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمیں اس کی دیت کی ضرورت نہیں ہے تم اس کو لے جا سکتے ہو اس لئے کہ یہ گندی لاش ہے جس کی دیت بھی گندی ہے۔

چنانچہ مشرکین نے اپنے مقتول کی لاش لے لی اور واپس ہو گئے لیکن وہ اس کے بعد بھی خندق عبور کرنے کے ارادے سے باز نہیں آئے بلکہ دن رات اس کو پھلانگنے کی تدبیریں میں لگے رہے اور منظم جماعتوں کی شکل میں خندق کے ارد گرد پھرتے رہے اور جب ایک جماعت آرام کرنے چلی جاتی تھی تو دوسری اس کی جگہ آجاتی تھی۔

اور اس طرح سے مسلمانوں پر کئی سیاہ و تاریک ایسی راتیں گذریں جن میں عورتیں اپنے گھروں پر آرام سے نہ لیٹ سکیں اور نہ بچے آنکھیں جھپکا کر سو سکے۔ ایسی صورت میں بھلا ان مردوں کا کیا حال ہو گا جو حملہ کو روکنے کے لئے اور حصار کو مضبوط کرنے کے لئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے کھڑے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نازک گھڑی میں جس میں یہودیوں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مشرکوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا اپنے قلب و روح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور دشمنوں کے خلاف مسلمانوں کی نصرت و مدد کے طلبگار تھے اور محاصرہ کے تنگ ہونے پر خدا سے صبر اور اسلام کی فتح کے لئے نصرت کے سائل تھے۔

اس فیصلہ کن گھڑی میں جس میں موت نے اس مدینہ منورہ کو ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا جہاں مسلمانوں نے پناہ حاصل کی تھی اور دشمن مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے ان کی ذرا سی غفلت کا منتظر تھا اور خندق کے کسی ذرا سے کمزور اور غیر محفوظ کنارے کی تلاش میں تھا کہ اسے پھلانگ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکے۔ اس نازک و فیصلہ کن گھڑی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سرحدوں میں سے ایک سرحد کی بذات خود بنفس نفیس نگرانی کر رہے تھے اور اس کی حفاظت کے لئے کمان تانے کھڑے تھے اور کسی ضرورت کے لئے اگر ذرہ دیر کے لئے بھی کہیں جانا ہوتا تو اپنی جگہ کسی اور کو متعین کر جاتے تھے اور پھر جلد ہی دوبارہ اس جگہ واپس آ جاتے اور اس کی حفاظت شروع کر دیتے تاکہ آپ کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دلجمعی اور ہمت بلند رہے جو آپ کی اتباع میں مدینہ منورہ کی حفاظت کر رہے تھے اور اپنی زبردست نگرانی اور بے مثال شجاعت و وحدت کی وجہ سے دشمن کو حملہ آور ہونے کا قطعاً کوئی موقع نہ دے رہے تھے۔

یہ ایک ایسی گھڑی تھی جس میں محاذوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی طاقت تقسیم ہوگئی تھی۔ ایک محاذ تو اس دشمن کا تھا جو عظیم الشان لشکر کو لے کر خندق کی جانب سے حملہ آور ہوگیا تھا اور ایک محاذ اس غدار دشمن کا تھا جو انہیں پیچھے سے نیزے مارنے اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش میں تھا اور وہ دشمن بنو قریظہ کے یہودی تھے۔

صبح سے شام ہوجاتی اور مسلمان اپنے اپنے محاذ و مقام پر تعب، تکان اور بھوک پیاس کے باوجود ویسے ہی ثابت قدم رہتے اور کوئی شخص بھی نہ اپنی جگہ سے ہلتا نہ اپنی جگہ کو خالی چھوڑتا، اس لئے کہ مشرکین کے لشکر خندق کے کنارے کھڑے ہوکر اپنے شہسواروں کے لئے راستہ بنانے کے لئے مستقل تیر اندازی کرتے رہتے تھے۔

اس نیزہ بازی اور تیر اندازی کی وجہ سے کئی مشرک مارے گئے اور کئی مسلمان شہید ہوئے اور دونوں جماعتوں کے بہت سے آدمی زخمی بھی ہوئے جن میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بازو میں ایک تیر لگا جس سے ایک رگ کٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا تو انہوں نے آسمان کی طرف منہ کرکے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ:

اے اللہ اگر قریش سے جنگ کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے تو مجھے بھی اس وقت تک کے لئے زندہ رکھ، اس لئے کہ مجھے کسی بھی قوم سے جہاد کرنا اس قوم سے جہاد

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنے کی بنسبت زیادہ محبوب نہیں جس قوم نے آپ کے رسول کو ایذا پہنچائی اس کی تکذیب کی اور انہیں اپنے شہر سے نکال دیا اور اے اللہ اگر آپ نے ہماری اور ان کی جنگ بند کرادی ہے تو مجھے شہادت نصیب فرما اور مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک بنو قریظہ کو سزا نہ مل جائے اور اسے دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

اے حضرت سعد اللہ تعالےٰ آپ کو خوش رکھے اور اے بنو قریظہ کے غدار خائن یہودیو تمہارے لئے ہلاکت اور تم پر خدا کی مار ہو۔ اس لئے کہ اگر ان یہودیوں کی جانب سے خیانت اور غداری نہ ہوتی تو کافروں کی جماعت کی کمر مضبوط نہ ہوتی اور نہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اس بہادری سے ثابت قدم رہتے اور نہ ان کے گرد محاصرہ کو تنگ کرتے اور جنگ کے وقت کے انتظار میں اپنی پوری قوت صرف نہ کرتے۔

ابھی مسلمان اس پیش آمدہ پریشانی میں گرفتار تھے ہی اور آنکھیں درماندہ اور کلیجہ منہ کو آ ہی رہا تھا اور منافقین اپنی ناراضگی اور ناپسندیدگی کے اظہار سے باز نہیں آ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے دھوکہ دیا ہے ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی و سرور اور خوشخبری کے آثار ظاہر ہونے لگے اور آپ کی آنکھوں میں قریبی فتح پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ اس صورتحال

tooba-e-library.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے اس بات کی دعوت تھی کہ وہ آپ کی خوشی کو دیکھ کر خوشخبری حاصل کریں اور وہ لوگ اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ اس کے پیچھے اللہ کی نشانیوں میں سے کسی نشانی کا ہاتھ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ خود مشرکین کی ہمت پست کرنے کے لئے جو صورت مناسب سمجھیں اسے اختیار کریں۔ چنانچہ حضرت نعیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر کسی ایسی شکل کے بارے میں سوچنے لگے جسے اختیار کیا جائے اور ان کو اس غرض کے لئے اس سے اچھی کوئی اور ترکیب سمجھ میں نہ آئی کہ مسلمانوں سے لڑنے والے دونوں فریقوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر جنگ کرا دی جائے۔

چنانچہ حضرت نعیم فوراً بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس گئے۔ بنو قریظہ والے ان کو بخوبی جانتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہتے تھے، لہٰذا انہوں نے نہایت پرتپاک طریقہ سے ان کا استقبال کیا اور ان کو خوش آمدید کہا: جب یہ ان کے سرداروں اور بڑے حضرات کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ چکے تو انہوں نے اپنی مقصد کی بات شروع کر دی اور کہا: اے بنو قریظہ والو تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کتنا تعلق ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ: آپ نے بالکل سچ کہا اور ہمیں آپ پر کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔

انہوں نے کہا: تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے قریش اور غطفان والوں سے معاہدہ کیا ہے اور اگر تم ان پر فتحیاب ہو گئے تو تم اور وہ دونوں ایک دوسرے کے شریک ہو گئے اور اگر تم اگ شکست کھا گئے تو وہ تو اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں گے اور تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان جنگ کا کھلا میدان چھوڑ جائیں گے اور تمہیں یہ معلوم ہی ہے کہ تمہارے مکانات ان کے شہر میں ہیں، تمہارے اموال ان کی دسترس میں ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں تمہارا حشر بنو قینقاع اور بنو نضیر سے زیادہ بد تر ہو گا۔

بنو قریظہ کے سرداروں نے ان سے پوچھا اے ابن مسعود پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ تو انہوں نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہ ہو جب تک کہ گارنٹی کے طور پر ان کے کچھ معزز آدمیوں کو تم اپنے پاس بطور رہن نہ رکھ لو جو اس بات کی ضمانت ہو کہ وہ لوگ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم نہ کر ڈالیں، بنو قریظہ نے کہا، اے نعیم آپ کی رائے بہت عمدہ ہے اور ہم اسی پر عمل کریں گے۔

بنو قریظہ کو حضرت نعیم نے یہ وصیت کی کہ وہ اس بات کو بالکل مخفی رکھیں اور ان سے یہ وعدہ لے کر حضرت نعیم بنو قریظہ کے پاس سے رخصت

ry.blogspot.com

ہو کر ابوسفیان اور دیگر اہل قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا، اے قریش کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے اور مجھے ایک اطلاع ملی تھی اسی لئے میں نے ضروری سمجھا کہ تم تک وہ خبر پہنچا دوں تاکہ تم لوگ ہوشیار رہو، انہوں نے پوچھا، وہ کیا بات ہے؟

انہوں نے کہا، مجھے یہ اطلاع ملی کہ بنو قریظہ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو جو توڑا ہے اس پر وہ شدید نادم ہیں اور انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ ان سے اس شرط پر راضی ہو جائیں کہ وہ ان کے پاس اس کے عوض قریش اور غطفان کے معززین میں سے کچھ آدمی بھیج دیں تاکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس لئے یہ بات یاد رکھنا کہ اگر بنو قریظہ والے تم سے یہ مطالبہ کریں کہ تم اپنے کچھ آدمی ان کے پاس بطور رہن رکھوا دو تو ایسا ہرگز نہ کرنا اور اپنا کوئی آدمی ان کے پاس بطور رہن نہ رکھانا، قریش نے ان کو بہت شکریہ ادا کیا اور یہاں سے حضرت نعیم غطفان والوں کے پاس گئے اور جو بات قریش سے کی تھی وہی بات ان کو بھی بتلا دی۔

حضرت نعیم کی اس بات کا قریش اور غطفان پر بہت گہرا اثر پڑا اور بنو قریظہ کی طرف سے جو اطلاع ملی تھی ان کے بارے میں ان کے کرتا دھرتا مشورہ کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور کافی دیر مشورہ اور بحث و مباحثہ کے بعد

tooba-elibrary.blogspot.com

یہ طے پایا کہ بنو قریظہ کے پاس پیغام بھیجا جائے اور ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے فوری طور سے ان کے ساتھ آکر مل جائیں اس لئے کہ اب ہم لوگ اس جگہ اس سے زیادہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

اس پیغام کو پہنچانے کے لئے ان لوگوں نے دونوں قبیلوں کے کچھ آدمیوں کے ایک وفد کو منتخب کیا۔ وفد ان سے جاکر ملا تو انہوں نے کہا: کل تو ہفتہ کا دن ہے اور اس دن ہم جنگ نہیں کر سکتے اس لئے کوئی اور دن متعین کر لو لیکن شرط یہ ہوگی کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے جب تک تم لوگ اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بطور رہن نہ رکھ دو تاکہ ہمیں یہ اطمینان رہے کہ اگر جنگ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پلہ بھاری رہا تو تم لوگ ہمیں چھوڑ کر نہیں بھاگو گے۔

یہ بات سن کر قریش اور غطفان والوں کو پورا یقین ہو گیا کہ نعیم نے بالکل ٹھیک کہا تھا اور یہ کہ بنو قریظہ والے یہ بہانہ بنا کر لڑنے سے کنارہ کشی کر رہے ہیں جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ انہیں کچھ آدمی بطور رہن دے دئے جائیں جن کو وہ لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو راضی و خوش کرنے کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں اس بات سے کافروں کی ان جماعتوں کی ہمت اور پست ہو گئی اور عزم کمزور پڑ گئے۔

یہ دن بھی اور دنوں کی طرح گذر گیا۔ رات کو نہایت شدید آندھی آئی اور اس کے ساتھ نہایت زوردار موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور پھر اور تیز آندھی بھی آئی اور بارش کی تیزی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ مشرک اپنے خیموں اور پناہ گاہوں کی طرف دوڑے تاکہ آندھی کی شدت اور تیزی سے اپنے آپ کو بچا سکیں لیکن آندھی نے ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی اور وہ اور تیز ہوتی رہی اور اس کی آواز اور خوفناک ہوتی رہی اور اس کے ساتھ صحراء کی ریت اور کنکر بھی اڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے خیموں کی کیلیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں اور ہانڈیاں پلٹ گئیں اور ساز و سامان بکھر گیا اور ریت کے آنکھوں میں بھر جانے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو ہاتھوں کے مس سے تلاش کرنے لگے اور آندھی اور ہواؤں کی آواز کے ساتھ ساتھ ان کی آوازیں بھی بلند ہونے لگیں؛

بچ نکلنے کی کوشش کرو، چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرو' اور ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا: اے قریش کی جماعت بخدا تم لوگ ایسی جگہ پر نہیں ہو جہاں ٹھہرا جا سکے' اونٹ اور چوپائے ہلاک ہو گئے اور بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی اور ان کی جانب سے ہمیں ناپسندیدہ خبر ملی اور اب آندھی سے ہمارا جو نقصان ہوا ہے وہ تمہارے سامنے ہے ہی اس لئے اب تم لوگ کوچ کر چلو میں جا رہا ہوں' اور یہ کہہ کر ابوسفیان

toobaa-elibrary.blogspot.com

جلدی سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا اور اس کی قوم نے بھی اس کی پیروی کی اور کوچ کر گئے۔

ہفتہ کا وہ دن طلوع ہوا جو دن کافروں کے لشکروں اور بنو قریظہ کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کرنے کے اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لئے طے ہونے والا تھا، لیکن ان کافروں کے پڑاؤ کی جگہ خالی اور ویران پڑی تھی اور ہواؤں اور آندھی نے ان کے تمام آثار و نشانات مٹا ڈالے تھے، اور قریش کے پیچھے پیچھے غطفان والے بھی جا چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے غیظ و غضب اور مکر و تدبیر کو واپس انہیں کی طرف لوٹا دیا اور انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جنگ سے بچا لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے گھروں کو یہ فرما کر واپس ہونے کی اجازت دے دی کہ: اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان سے جنگ کرو گے۔

دوسرے دن مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا: جو شخص سن رہا ہو اور اطاعت کرنے والا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ عصر بنو قریظہ پہنچ کر پڑھے۔

مسلمان باوجود تھکے ماندے ہونے کے خوشی خوشی بنو قریظہ کی

tooba-e-library

tooba-e-library.blogspot.com

جانب روانہ ہو گئے اس لیے کہ خوشی نے ان کے بوجھ کو ختم کر دیا تھا اور سرور نے ان میں نشاط پیدا کر دیا تھا اور اب ان کے لئے یہ وقت قریب آ گیا تھا کہ وہ بنو قریظہ کو وہ شکست دے دیں جو بنو قریظہ ان مسلمانوں کو کافروں کی جماعت کے ساتھ مل کر دینا چاہتے تھے۔

یہود اپنے قلعوں میں بند ہو گئے اور یہود کے محاصرہ پر کئی دن گذر گئے اور اس محاصرہ کی شدت سے وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے تو ان کے سربراہ کعب بن اسد نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اسلام قبول کر کے ان کی پیروی اور اتباع کر لیں تاکہ جان بھی بچ جائے اور مال بھی، لیکن انہوں نے اس رائے کو نہ مانا اور یہ کہا کہ: ہم توراۃ سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے اور نہ اس کے بدلے کسی اور کتاب کو اختیار کریں گے۔

تو ان کے سردار نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالیں اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کے لئے تلواریں لے کر نکل پڑیں، پھر اگر وہ مر گئے تو ان کے پیچھے کوئی بھی نہ ہوگا اور اگر زندہ رہے تو اور عورتوں سے شادی کر لیں گے اور بچے پیدا کر لیں گے، لیکن یہود کو یہ رائے بھی پسند نہ آئی اور انہوں نے اس پر نکیر کرتے ہوئے کہا: کیا ان مساکین اور بے قصوروں کو ہم قتل کر ڈالیں

ان کے مرنے کے بعد ہماری زندگی کا کیا فائدہ، کافی مشورہ اور غور و خوض کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ انہیں بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح شام کے مقام اذرعات کی جانب جانے کی اجازت دے دی جائے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس رائے کو رد کر دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے بارے میں ان کے معاہدین و حلفاء میں سے اوس کا ایک آدمی فیصلہ کرے جس کے فیصلہ کو وہ پسند کرتے ہوں، بدقسمتی اور شامت اعمال سے انہوں نے اس فیصلہ کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کی جائیداد اور اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سعد کے اس فیصلہ کو سنا تو فرمایا: اے سعد تم نے وہی فیصلہ کیا جو خدا کا فیصلہ تھا۔

مدینہ منورہ کے بازار میں خندقیں کھود دی گئیں اور وہاں جماعت کی شکل میں یہودیوں کو لے جایا گیا اور ان کی گردن اڑا کر ان کو خندقوں میں ڈال دیا گیا۔ ان مقتولین کی پہلی جماعت میں حیی بن اخطب بھی تھا۔ اس فیصلہ کے کچھ دن بعد حضرت سعد کا اس زخم کی وجہ سے انتقال ہو گیا جو

انہیں تیر کی وجہ سے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کر دی تھی اور ان بنو قریظہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں تھیں جن کی غداری کی وجہ سے مسلمانوں کی ہلاکت قریب آ پہنچی تھی اگر بالفرض خدا کی نصرت و غیبی مدد اور خدا کی فوج سے مسلمانوں کی امداد نہ ہوتی تو مسلمان ہلاک ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت و مدد کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا
وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرًا))

(الاحزاب۔ ۹)

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کا احسان
اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں
پھر بھیج دی ہم نے ان پر ہوا اور
وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں
اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو
دیکھتا ہے۔

* * *

toobaa-elibrary.blogspot.com

قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۷

ادبِ بیتِ النبی

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا
أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ
غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا
دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا
طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا
مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ
ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ
فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا
يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ
مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ
حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ
وَقُلُوبِهِنَّ» (الاحزاب - ۵۳)

اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں
میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے
نہ راہ دیکھنے والے اس کے پکنے کی
لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جاؤ
پھر جب کھا چکو تو خود بخود چلے جاؤ اور
جی لگا کر آپس میں باتیں کرنے نہ بیٹھو
تمہاری اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی
ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ
شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں
اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام
کی تو مانگ لو پردہ کے پیچھے سے اس میں خوب
ستھرائی ہے تمہارے دلوں کے لئے
بھی اور ان کے دلوں کے لئے بھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان آیات کریمہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بلادعوت نہ جائیں یا یہ کہ اگر ان کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے تو پھر جب وہ اس سے فارغ ہو جائیں جس کے لئے انہیں بلایا گیا ہے اور ان کو واپسی کی اجازت ہو جائے تو ان کو اپنے مقام کی طرف واپس ہو جانا چاہیئے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پریشانی سے بچا لیا جو آپ کو اس وقت پیش آیا کرتی تھی جب مسلمانوں کو کھانے کی دعوت دی جائے یا کسی مشکل مسالہ کے حل کے لئے یا کسی پیش آمدہ ضرورت کے موقعہ پر آپ کے گھر آتے اور زیادہ دیر بیٹھے رہتے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات کریمہ ایسے وقت میں نازل فرمائیں تھیں جب آپ سخت تنگ ہو چکے تھے اور آپ کی شدت حیا اس بات سے مانع تھی کہ آپ مسلمانوں کے سامنے اس چیز کا اظہار کریں جس سے آپ کو تکلیف پہنچتی تھی، یا یہ کہ اپنے پاس دیر تک گھر آنے والے مسلمانوں سے صراحتًا وہ بات کہہ دیں جو آپ کے دل میں تھی۔

بات دراصل یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعتوں کو کسی مناسبت سے کھانے کی دعوت دی تھی چنانچہ گھر پر مدعو حضرات کھانا کھانے کے لئے آتے رہے اور اس طرح سب اس کھانے میں شریک ہوتے

کی تاکہ بعض حضرات تو واپس چلے گئے اور بعض حضرات وہیں بیٹھے قصہ گوئی میں مشغول رہے اور باتیں کرتے رہے اور کافی دیر تک باتوں میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان کی مجلس کے طویل ہونے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ وہ باتیں ختم کر کے گھر سے چلے جائیں لیکن وہ بیٹھے باتیں کرتے ہی رہے اور انہوں نے نہ کھڑے ہونے کا ارادہ کیا اور نہ واپس جانے کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اپنی بعض ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے گئے اور ان سے خیر خیریت معلوم کی اور پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ بعض مدعوئین اب تک بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی اور دل کو دکھ ہوا لیکن آپ کی نرم مزاجی اور شدتِ حیاء نے آپ کو پھر بھی اپنے مہمانوں سے کسی بات کا اظہار نہ کرنے دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے کمروں کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہو گئے یہ دیکھ کر ان حضرات نے محسوس کر لیا کہ وہ مجلس طویل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ کا سبب بنے ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تنگ ہونے کو محسوس کر لیا تھا اس لئے جب یہ حضرات چلے گئے تو حضرت انس فوراً حضرت عائشہ کے گھر گئے تاکہ لوگوں کے چلے جانے کی اطلاع آپ کو دے دیں، تو کیا دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے دروازے سے مندرجہ بالا آیات تلاوت کرتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں جو آپ پر اللہ تعالٰی نے اس وقت نازل فرمائی تھیں۔

حضرت انس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ کو اپنی آمد کی غرض بتلائی. چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر حضرت انس اور گھر والوں کے گھر میں کے درمیان کا پردہ گرا دیا اور اس طرح سے حجاب کی ابتدا اور مشروعیت ہوئی اور عورتیں مردوں سے پردہ کرنے لگیں۔

ان آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات کے ذریعہ جو اللہ تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عورتوں پر پردہ فرض کر دیا گیا اور تمام عورتوں پر یہ فرض کر دیا کہ وہ اپنی زینت و محاسن کو سوائے اپنے شوہروں اور عزیزوں کے کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کریں اور ان کی عزت و کرامت کی حفاظت اور دلوں کی پاکیزگی کی بقاء و حفاظت کے لئے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ بن سنور کر اس طرح سے باہر نہ نکلیں جس طرح پہلے جاہلیت کے دور میں نکلا کرتی تھیں.

toobaa-elibrary.blogspot.com

tooba-elibrary

اور اس پردہ کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے درمیان فرض کیا مسلمانوں کی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں بہت سی نئی سنتیں جاری کر دی گئیں اور اس پردہ کے ذریعہ مسلمان مرد و عورت کے درمیان احترام کی ایک خاص قسم پیدا کر دی گئی اور ان کے درمیان معاملات میں خاص قسم کی شروط مشروع کر دی گئیں۔

اس حکم کے بعد اب مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یا تو آپ کی اجازت سے جاتے یا مدعو ہوتے تو جاتے اور جب اس کام سے فارغ ہو جاتے جس کے لئے گئے تھے تو فوراً وہاں سے رخصت ہو جاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو قصہ گوئی اور بات چیت کی جگہ نہ بناتے۔

اور اس موقعہ پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کامل نعمتوں کی بارش کی ہوئی تھی اور اس مرحلہ پر جب کہ مسلمانوں کو اپنے دشمن کفارِ قریش پر فتح حاصل ہوئی تھی اور ان کو بنو قریظہ کے ان یہودیوں سے نجات مل گئی تھی جنہوں نے ان کے ساتھ غداری کی تھی۔

اس موقعہ پر مسلمانوں نے راحت و اطمینان کا سانس لیا اور اپنی نفوس میں اطمینان و سکون کو محسوس کیا اور اس کا واضح اثر ان کی زندگی پر ظاہر ہونے لگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے اموال میں سے فقراء و مساکین اور مسافروں کے لئے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر باقی حصہ مسلمانوں پر تقسیم

کر دیا تھا اور اسی طرح ان کی عورتوں اور بیٹوں کو بھی غلام و باندی کے طور پر تقسیم فرما دیا تھا اور قیدیوں کی ایک جماعت کو نجد بھیج کر ان کے بدلے میں گھوڑے اور ہتھیار خرید لئے اور اس طرح سے مسلمانوں کی طاقت و قوت میں اضافہ ہوا اور وہ اور زیادہ محفوظ ہو گئے اور اس طرح سے مسلمانوں کو سکون نصیب ہوا اور اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے ان کے نفوس کو راحت ملی ۔

بنو قریظہ کے قیدیوں میں سے ریحانہ نامی باندی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی تو آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس سے کہا کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو آپ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیں گے اور اس طرح سے وہ بجائے باندی بننے کے ام المؤمنین کا درجہ حاصل کر لے گی لیکن اس نے اس بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہودی رہنے پر اصرار کیا اور اس طرح سے اس نے آزادی حاصل کر کے نکاح میں آنے سے یہ کہہ کر اعراض کیا کہ آپ مجھے اپنی ملک میں رکھیں یہ میرے لئے اور آپ کے لئے دونوں کے لئے زیادہ آسان ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اگرچہ آپ کو دل ہی دل میں اس پر غصہ بھی تھا اور اس کی بات سے آپ کو سخت دکھ بھی ہوا تھا کچھ دنوں بعد ریحانہ اسلام لے آئی جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس عرصہ اور مدت میں جس میں مسلمان مدینہ منورہ میں امن کے سایہ تلے زندگی گذار رہے تھے اور راحت و سکون ان کو حاصل تھا۔ اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فکر میں مشغول تھے کہ ایسے اسباب اختیار کئے جائیں جن سے مسلمانوں کا یہ امن باقی رہے اور یہ راحت ان کو مستقل حاصل رہے اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی آپ ان کی تلاش میں تھے اور دعوت اسلام کے پھیلانے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشرکین کو ایمان کی دعوت دینے اور راہ راست پر لانے کے لئے جو راستہ اختیار کرنا چاہیئے آپ اس کی جستجو میں تھے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی نہیں بھلایا تھا کہ ان قبیلہ والوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے جن کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا گیا تھا یا جن کے ساتھ معاہدہ نامہ نہیں لکھا گیا تھا اور آپ ان قبیلوں کی طرف سے بھی غافل نہ تھے جو غداری کر چکے تھے یا جن سے خیانت کی بو آتی تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصدوں اور جاسوسوں کو ادھر ادھر بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ جس قدر بھی خبریں حاصل کر سکیں وہ آپ کے پاس لے آئیں تاکہ ان کی مدد سے آپ مناسب تدابیر اختیار کریں اور ان خبروں کی روشنی میں جو تدبیر اور جو راستہ اختیار کرنا چاہیئے اسے عملی جامہ پہنا سکیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طریقہ کو اختیار کرتے تھے وہ یہ تھا کہ جس قبیلہ کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ آپ اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے تو اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرے آپ خود اس پر حملہ آور ہو جاتے اور اس طرح جس کو آپ نے امان دیا ہوتا یا اس کے ساتھ نرم برتاؤ کیا ہوا ہوتا اور اس کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ خیانت کر رہا ہے یا غداری کر رہا ہے اس پر بھی آپ فوری حملہ کر دیا کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کبھی نہ بھلا سکے جنہیں آپ نے بعض قبیلے والوں کے پاس قرآن کریم سکھانے اور دین اسلام کی تعلیم دینے اور اسے سمجھانے کے لیے بھیجا تھا لیکن انہوں نے غداری کی اور ان حضرات کو شہید کر ڈالا۔ اسی لئے جب آپ کو قریش پر فتح حاصل ہو گئی اور آپ نے بنو قریظہ کو ختم کر ڈالا۔ جس پہلو پر آپ نے سب سے پہلے سوچنا شروع کیا وہ یہ تھا کہ بنو لحیان کے خلاف جہاد کے لئے نکلنا چاہئے تاکہ ان سے ان حضرات کے خون کا بدلہ لے سکیں جنہیں یوم الرجیع کو شہید کر دئے گئے تھے، یعنی حضرت خبیب بن عدی اور ان کے وہ ساتھی جو اپنی وفاداری کی وجہ سے قربان ہو گئے اور جنہوں نے دین کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدین کے ساتھ بنو لحیان سے جنگ کے لئے نکلے لیکن آپ نے اپنے اس ارادے کو کھلم کھلا ظاہر نہیں فرمایا تاکہ دشمن

tobaa-elibrary

پر اچانک بے خبری کی حالت میں حملہ کر سکیں اس لیے بجائے اس کے کہ آپ جنوب کی جانب واقع بنو لحیان کی آبادی کا مکہ کے قریبی راستہ سے قصد کرتے اس کے بجائے آپ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب رخ کرکے شام کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ نے یقینی طور سے یہ محسوس کرلیا کہ وہاں کوئی ایسا جاسوس نہیں ہے جو آپ کی غرض کو سمجھ سکے اور منزلِ مقصود پر مطلع ہو سکے تو آپ جنوب کی جانب سے مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوگئے اور مدینہ منورہ سے دور ہوگئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے چلے یہاں تک کہ آپ غران مقام پر بنو لحیان کی آبادی تک پہنچ گئے لیکن آپ نے دیکھا کہ ان کے مکانات پرسکون ہیں ان میں کسی قسم کی نقل وحرکت نہیں، نہ وہاں لوگ ہیں اور نہ کوئی قابلِ ذکر ساز و سامان اور آپ نے یہ محسوس کرلیا کہ بنو لحیان والوں نے آپ کے آنے کو اس وقت محسوس کرلیا تھا جب آپ ان کے شہر کی طرف اتر رہے تھے اور ان کے جاسوسوں نے آپ کو ان کی طرف آتا دیکھ کر ان کو اس کی اطلاع کردی اور وہ لوگ چٹانوں کے درمیان گھاٹیوں میں اپنے سامان سمیت چلے گئے اور اپنی جان بچانے کے لئے پہاڑ کی چوٹیوں کا رخ کرلیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب عسفان مقام پر کچھ دنوں کے لئے پڑاؤ ڈالا لیکن جب قریش کا کوئی فرد بھی میدان میں نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہوگئے۔

rooh-e-library.blogspot.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی پر ابھی چند راتیں ہی گذری تھیں کہ مدینہ کے بعض اطراف پر غطفان کے کچھ آدمیوں نے حملہ کر دیا جن کی سربراہی عیینہ بن حصن کر رہا تھا۔ ان لٹیروں نے اپنے سامنے اونٹوں کو چرتے ہوئے دیکھا جن کی رکھوالی ایک مرد اور اس کی بیوی کر رہی تھی، ان لٹیروں نے اس شخص کو قتل کر ڈالا اور اس کی بیوی اور اونٹ اپنے ساتھ لے گئے اور جلدی سے واپس لوٹ گئے اور یہ سمجھے کہ انہیں یہ مال مل گیا ہے اور انہیں کسی نے دیکھا نہیں ہے لیکن یہ محض ان کی غلط فہمی تھی اس لئے کہ اس جگہ کے قریب سے ہی حضرت سلمۃ بن عمرو بن الاکوع اسلمی کمان اور تیر لٹکائے جنگل جانے کے ارادہ سے گذر رہے تھے ان کے پیچھے ان کا غلام گھوڑا لے جا رہا تھا حضرت سلمۃ کی نگاہ ان لٹیروں پر پڑ گئی اور انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ عورت کو پیچھے بٹھائے ہوئے اور حملہ کر کے بھاگے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے بلند آواز سے مدد کے لئے یہ کہہ کر پکارا کہ:

حملہ ہو گیا ہے بچاؤ مدد کرو۔

اور پھر وہ خود ان لٹیروں کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور ذرا سی دیر میں ان تک پہنچ گئے اور کمان تان کر تیر مارنے لگے۔ حضرت سلمہ کی یہ آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی اور آپ نے مدینہ مدینہ میں خطرہ کا اعلان کرا دیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے شہسوار فوراً ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں

ان لٹیروں کے تعاقب کا حکم دے دیا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا لشکر لے کر نکل کھڑے ہوئے اور اپنے ان گھڑسواروں سے جا ملے جنہوں نے لٹیروں سے کچھ اونٹ چھڑا لئے تھے جن میں سے ایک اونٹنی پر وہ مسلمان عورت بھی سوار تھی جسے یہ لٹیرے اغوا کر کے لے جا رہے تھے لیکن لٹیرے جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور جا کر اپنی قوم غطفان میں چھپ گئے لیکن پھر بھی اس سے پہلے پہلے مسلمان ان میں سے بعض کو قتل کر چکے تھے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:
اے اللہ کے رسول اگر آپ اجازت دیں تو میں سو آدمیوں کو لے کر ان لوگوں پر حملہ کر ڈالوں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی اس لئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اب جب کہ یہ لٹیرے اپنی قوم غطفان والوں تک پہنچ گئے ہیں تو اب اس حملہ سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور اونٹوں کو چرانے والی وہ عورت جو لٹیروں سے خلاصی پا چکی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: اے اللہ کے رسول میں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالٰی نے مجھے

اس اونٹنی کے ساتھ نجات دے دی تو میں اس کو ذبح کر دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: تم تو اسے بہت بُرا بدلہ دے رہی ہو۔ اللہ نے تمہیں اس پر سوار کیا اور اسی کے ذریعے تمہیں نجات دلائی اور تم پھر بھی اس کو ذبح کر دو گی۔ یاد رکھو اللہ کی نافرمانی کی نذر درست نہیں ہوتی اور اس طرح ایسی چیز کی نذر بھی جس کی تم مالک نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو المصطلق عرب کی مختلف جماعتوں کو آپ سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا کر رہے ہیں اور ان جماعتوں کا سربراہ بنو المصطلق کا سردار الحارث بن ابی ضرار ہے۔ یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بنو المصطلق والوں سے ان کے گھروں میں لڑنے کے لئے نکلنے میں تاخیر نہ کی اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ نکل پڑے چونکہ بنو المصطلق کی آبادی مدینہ منورہ سے کوئی زیادہ دور نہ تھی اس لئے عبداللہ بن اُبی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں نکل پڑا اور اس کے ساتھ منافقوں کی ایک جماعت بھی ساتھ ہو لی جن کا مقصد اس آسان سے مالِ غنیمت کو حاصل کرنا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو آپ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور ان میں سے جس کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے تھے۔

حسب عادت اس مرتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ اندازی کی اور قرعۂ فال حضرت عائشہ کے نام کا نکلا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج نے بنو المصطلق کی فوج پر اچانک بے خبری کے عالم میں اس سے پہلے حملہ کر دیا کہ وہ اپنی تیاری مکمل کریں اور ساز و سامان تیار کریں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کی جماعتیں بنو المصطلق سے تتر بتر ہو کر ادھر ادھر بھاگ نکلیں اور انہوں نے بنو المصطلق والوں کو مسلمانوں کے لئے ایک آسان سا شکار بنا دیا۔ مسلمانوں اور بنو المصطلق والوں کا آمنا سامنا بنو المصطلق کے ایک چشمہ کے پاس ہوا جس کا نام مریسیع تھا، دونوں جماعتوں کے باہمی جنگ کوئی زیادہ دیر نہ چل سکی اور جلد ہی بنو المصطلق شکست کھا گئے اور ان کے اونٹ اور حیوانات اور بچے اور عورتیں مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بن گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور مریسیع چشمہ کے پاس آرام کرنے اور سیراب ہونے کے لئے ٹھہر گئے۔ چشمہ پر آنے والوں میں حضرت عمر بن الخطاب کا ایک ملازم بھی تھا جو ان کا گھوڑا بان تھا اور اس کو جہجاہ بن مسعود کہا جاتا تھا۔ چشمہ پر جہجاہ کا خزرج کے آدمیوں میں سے ایک آدمی سے جھگڑا ہو گیا اور آپس میں لڑائی ہونے لگی۔ خزرجی نے آواز لگائی: اے انصار کی جماعت اور جہجاہ نے آواز لگائی، اے مہاجرین کی جماعت:

toobaa-elibrary.blogspot.com

انصار و مہاجرین دونوں کے کچھ حضرات ان جھگڑا کرنے والوں کے پاس پہنچ گئے اور ان کا جھگڑا ختم کرا دیا۔ یہ خبر عبداللہ بن اُبی کو بھی ملی جو اپنے پیرو کار منافقوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سخت ناراض ہو گیا اور کہنے لگا۔ یہ مہاجرین ہمارے شہر میں بہت بڑھ گئے ہیں اور ہماری اور ان کی مثال بالکل وہی ہے جو پہلے کہہ گئے ہیں کہ اپنے کُتّے کو موٹا کرو وہ تم کو ہی کھا جائے گا۔ بخدا اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو ہم میں سے جو زیادہ معزز ہو گا وہ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دے گا اور پھر اس نے اپنی قوم کے ان افراد سے جو اس کے پاس بیٹھے تھے یہ کہا،

یہ مصیبت تم نے خود ہی اپنے سر مول لی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے شہر میں لا ٹھہرایا اور ان میں اپنا مال تقسیم کر دیا بخدا اگر تم ان کو وہ مال نہ دیتے جو تمہارے پاس تھا تو یہ تمہیں چھوڑ کر کہیں اور چلے جاتے عبداللہ بن اُبی کی یہ بات حضرت زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت نو عمر لڑکے تھے سن لی چونکہ زید سچے مؤمن اور پکے مسلمان تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عبداللہ بن اُبی جو فتنہ پھیلانا چاہتا تھا اور مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو فتنہ و فساد اور شر اس کے دل میں تھا اس کی اطلاع آپ کو دے دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نہایت شدید غصے کے

آثار ظاہر ہوئے لیکن آپ نے حضرت زید سے کہا: اے لڑکے ہو سکتا ہے تم سے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

انہوں نے عرض کیا: نہیں اے اللہ کے نبی ایسا نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہو سکتا ہے تم سمجھ نہ سکے ہو۔

انہوں نے عرض کیا: بات وہ ہی ہے جو میں سن چکا ہوں اے اللہ کے رسُول!

اس بات چیت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے اور جب انہوں نے عبد اللہ بن اُبی کی اس خیانت کے بارے میں سنا تو ان کو بہت سخت غصہ آیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ہم میں سے کسی شخص کو اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیجئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا:

اے عمر یہ تو بتلاؤ کہ اگر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں تو پھر کیا ہوگا؟ اس لئے ایسا نہ کرو بلکہ لوگوں میں کوچ کا اعلان کر دو۔

مسلمانوں کے لشکر میں واپسی کے لئے تیار ہونے کی منادی ایک ایسے وقت کرا دی گئی جب سخت گرمی اور دھوپ میں تیزی تھی اور عام طور سے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے

tooba-e-library.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسے وقت کوچ کرنے کے اعلان سے صحابہ دہشت زدہ اور متحیر ہو گئے لیکن جلد ہی ان میں عبداللہ بن اُبی کی بات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر مطلع ہونے اور اس سے ناراض ہونے کی بات مشہور ہو گئی۔

چنانچہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ نے ایسے وقت میں کوچ کرنے کا حکم دیا ہے جس میں آپ کوچ کرنے کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں اپنے ساتھی عبداللہ بن اُبی کی بات کا علم نہیں ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس پہنچ گیا تو باعزت لوگ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

حضرت سعد نے فرمایا: اے اللہ کے رسول اگر آپ چاہیں تو اسے نکال دیں اس لئے کہ وہی ذلیل ترین ہے اور آپ معزز ترین ہستی ہیں، اور حضرت عبادہ بن صامت عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے اور اس سے کہا، اے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر معافی مانگ لو۔

عبداللہ بن اُبی نے ان کی بات سن کر اعراض کیا اور گردن پھیر لی تو حضرت عبادہ نے فرمایا: خدا کی قسم تمہارے اس اعراض اور منہ پھیرنے پر قرآن کریم میں ایسی آیت نازل ہوگی جو تلاوت کی جاتی رہے گی۔

لیکن اس سب کے بعد عبداللہ بن اُبی بزدل ہو گیا اور جو بات اس

کی طرف سے نقل کی گئی تھی اس کا انکار کرنے لگا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر خدا کی قسم کھانے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو اس کی بات پہنچائی گئی ہے اس نے وہ بات کہی ہی نہیں ہے۔ لوگ حضرت زید بن اُرقم کے پاس اکٹھے ہو گئے اور بعض ان کا مواخذہ کرنے لگے اور اس بات پر ان کو ملامت کرنے لگے کہ انہوں نے عبد اللہ بن ابی کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کیوں پہنچائی اور بعض حضرات ان کی تکذیب کرنے لگے اور ان کی سنی ہوئی بات کو غلط فہمی پر محمول کرنے لگے، لیکن حضرت زید اپنی صداقت پر مُصر رہے اور اصرار سے یہ کہتے رہے کہ انہوں نے بالکل سچ و درست بات پہنچائی ہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک فرما دیا کہ:

مجھے تو یہ توقع ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں آیت نازل فرمائیں گے۔ جس سے آپ لوگوں کو میرے سچے ہونے کا علم ہو جائے گا۔

مسلمان بنو المصطلق کے مکانات سے کوچ کر گئے اور ان کے ساتھ قیدی اور مالِ غنیمت بھی تھا۔ یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تیزی سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ تھے اور راستہ میں سونے یا ضرورت کے علاوہ کسی جگہ نہ ٹھہر رہے تھے۔

ایک روز حضرت زید بن اُرقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی

چل رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک دراز کیا اور مزاحاً حضرت زید کا کان پکڑ کر کھینچ کر فرمایا: اے لڑکے تمہارے کان نے بالکل صحیح سنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔

پھر اپنے ارد گرد والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ وہ شخص ہیں جن کے صحیح سننے کی اللہ نے تصدیق کر دی ہے! اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی آیاتِ کریمہ نازل فرما دی ہیں جن سے عبد اللہ بن اُبی کی غداری اور خیانت اور بد باطنی ثابت ہو گئی ہے اور حضرت زید بن اُرقم کی سچائی اور اخلاص واضح ہو گیا ہے۔

تمام مسلمانوں کو عبد اللہ بن اُبی کے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب اس شخص کے نفاق پر مطلع کر دیا ہے اور یہ واضح کر دیا کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اختلاف پیدا کرنے کے لئے اندر اندر کس طرح سے کوشاں ہے تو آپ لازمی طور سے اسے قتل کرا دیں گے۔

اس واقعہ کے بعد بہت سے مسلمانوں نے عبد اللہ بن اُبی کا مقاطعہ و بائیکاٹ کر لیا اور اس سے بات کرنا بند کر دی اور بعض حضرات اس کو اس کی اس حرکت پر سخت وسست اور بُرا بھلا کہنے لگے، لیکن عبد اللہ بن اُبی نہایت شرمندگی اور رسوائی کی حالت میں صرف یہ کہتا: آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

cy.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلمانوں کا قافلہ تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھا۔ قافلہ کے افراد تھکے ماندہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور اندیشی اور ایک مصلحت کی خاطر ایسا کیا تھا اور وہ یہ کہ قافلہ والے عبد اللہ بن اُبی کی بات کی طرف توجہ نہ کر سکیں اور اس کے فتنہ سے غافل رہیں یہاں تک کہ ان کے سفر کی آخری اور مدینہ میں داخلہ سے پہلی رات آگئی۔ اس رات آرام کے لئے ٹھہرنے کا حکم ملتے ہی قافلوں والوں نے جیسے ہی اپنی کمر زمین پر ٹکائی فوراً ہی گہری نیند نے ان پر قبضہ کر لیا اور وہ سو گئے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے کوچ کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کے لشکر سے نکل کر ضرورت و قضاء حاجت کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ ان کے گلے میں ان کا پسندیدہ ایک ہار پڑا ہوا تھا جو سفید و سیاہ موتیوں کا بنا ہوا تھا۔ جب وہ قافلہ میں واپس آئیں اور لوگ کوچ کے لئے تیاری کر رہے تھے تو انہیں ہار گمنے کا احساس ہوا، تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا تو انہیں یہ خیال ہوا کہ جس جگہ وہ قضاء حاجت کے لئے گئیں تھیں ہار وہاں نہ گر گیا ہو لہٰذا واپس جا کر تلاش کیا اور وہ ہار مل گیا۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس جگہ واپس پہنچیں جہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا تو وہاں لشکر کا نام و نشان نہ تھا اس لئے کہ لوگوں نے

جلدی سے کجاوے کسے اور اس جگہ سے فوراً ہی رخصت ہو گئے۔ حضرت عائشہ اس جگہ حیران و پریشان کھڑی تھیں! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اس لئے کہ تمام قوم ان کو لق و دق صحرا میں تن تنہا چھوڑ کر رخصت ہو چکی تھی اور وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عائشہ اپنے ہودج میں اس اونٹ پر سوار ہیں جو ان کے قافلہ کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

اور واقعی ان حضرات نے یہی سمجھا بھی تھا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ہودج کے اٹھانے والے اور اونٹ ہنکانے والے حضرات کی عادت یہ تھی کہ وہ ہودج کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ کے سامنے لاکر رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ اپنے خیمہ سے نکل کر اس میں بیٹھ جاتی تھیں۔ لوگ آتے اور ہودج کو اونٹ کے اوپر رکھ کر باندھ دیا کرتے تھے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر منزل مقصود کی جانب لے جایا کرتے تھے۔

اور اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا کہ لوگوں نے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہلکی پھلکی اور نو عمر تھیں اس لئے ان اٹھانے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ام المومنین حضرت عائشہ اس میں نہیں ہیں اور پھر انہوں نے خیمہ اکھاڑا اور سفر شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً صورت حال سمجھ لی اور یہ یقین کر لیا کہ لوگ جب انہیں ہودج میں اونٹ پر نہ پائیں گے تو ان کو تلاش کرتے ہوئے

اس جگہ واپس پہنچ جائیں گے، یہ خیال آتے ہی ان کو کچھ سکون ہوا اور انہوں نے چادر اوڑھ لی اور لوٹنے والوں کا انتظار کرنے کے لئے اسی جگہ لیٹ گئیں۔

اتفاق یہ ہوا کہ لشکر سے پیچھے رہنے والوں میں سے حضرت صفوان بن معطل سلمی بھی تھے۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار اس کو تیزی سے دوڑا کر اپنے ساتھیوں تک پہنچنے کے خواہش مند تھے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو صحراء کی ریت پر لیٹے ہوئے دیکھا۔ حضرت صفوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کے حکم سے پہلے دیکھا ہوا تھا انہیں دیکھتے ہی حضرت صفوان دہشت زدہ ہو گئے اور گھبراہٹ میں سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ: إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اللہ آپ پر رحم کرے آپ کیسے پیچھے رہ گئیں اور پھر حضرت صفوان نے اپنے اونٹ کو حضرت عائشہ کے قریب کر دیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ سوار ہو جائیے۔

اور پھر خود پیچھے ہٹ گئے۔ حتیٰ کہ وہ سوار ہو گئیں۔ پھر حضرت صفوان آگے بڑھے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر تیزی سے چلنے لگے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلہ کے ساتھ مل سکیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنی تیزی سے سفر کر رہے تھے کہ حضرت صفوان اپنے اونٹ کو لے کر ان تک نہ پہنچ سکے اور مسلمان مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے اور ان کے پیچھے پیچھے حضرت صفوان اس اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے داخل ہوئے جب یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔

اہل مدینہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قافلہ سے بچھڑنا معلوم ہوا اور حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے رہ جانے کا سبب بتلادیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات میں غور و فکر کرنے کے لئے یکسو ہو گئے اور بنو المصطلق میں جو مال وغیرہ حاصل ہوا تھا وہ مسلمانوں میں تقسیم فرمانے لگے۔

بنو المصطلق کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ ایک انصاری ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں جویریہ نے یہ چاہا کہ اپنے آپ کو قید سے چھڑالے اور ثابت بن قیس کو اپنی جان کے بدلے مال دے دے۔ حضرت ثابت نے فدیہ کی رقم کی مقدار زیادہ بڑھادی۔ چنانچہ جویریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امداد کی طالب بن کر یہ کہتی ہوئی آئی؛

میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی ہوں اور میں ایک پریشانی میں گرفتار ہو گئی ہوں جو آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے مال کے بدلے اپنے کو آزاد کرانا چاہا تھا اس سلسلہ میں میں آپ کی مدد خواستگار ہوں آپ میری مدد فرما دیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا؛ کیا میں تم کو اس سے اچھا اور بہتر مشورہ نہ دوں؟

tooba-e-library

انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے اس شرط پر مال ادا کر دیتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔

انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول یہ ٹھیک ہے۔

اور اس طرح سے جویریہ مسلمان ہوگئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باندیوں کی صف سے اٹھا کر امہات المومنین (مومنوں کی ماؤں) کی صف میں کھڑا کر دیا۔

مومنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کر کے انہیں اتنا اعزاز بخشا ہے تو انہوں نے بنو المصطلق کے ان قیدیوں کو جو ان کے پاس تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔

اور اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جویریہ سے نکاح کرنا ان کی قوم کے لئے بڑا فائدہ مند ثابت ہوا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت اور فائدہ مند ثابت ہوئی ہو۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مسلمان عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا انتظار کرتے رہے اور ان کو اس بات کا تقریباً یقین سا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیات تک نازل فرما دی ہیں تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قتل کا حکم ضرور دیں گے۔ لیکن عبداللہ بن اُبی کے صاحبزادے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آیا:

اے اللہ کے رسول مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے اگر آپ یہ کرنا ہی چاہتے ہیں تو آپ مجھے حکم دے دیجیے میں ان کا سر آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔ اس لئے کہ بخدا خزرج کو معلوم ہے کہ ان میں مجھ سے زیادہ کوئی شخص اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا نہیں ہے اور مجھے ڈر یہ ہے کہ اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو ان کے قتل کا حکم دے دیں تو شاید میں اپنے والد کے قاتل کا دیکھنا گوارہ نہ کرسکوں اور اس شخص کو مار ڈالوں تو گویا میں ایک کافر کے بدلے میں مومن کو قتل کر دوں گا اور اس کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاؤں گا۔

خوشخبری ہو تمہارے لئے اے عبداللہ! تمہارے دل میں کیسی زبردست آگ بھڑک رہی تھی اور آپ خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کر رہے ہیں کہ اپنے والد کا سر ان کی خدمت میں پیش کردیں؟!

آپ کے دل کی اس وقت کیا حالت ہوگی جب اس میں دو طرح کے

tooba-e-library.blogspot.com

داعیے اور عوامل موجود ہوں، ایک عامل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا اور دوسرا عامل اپنے کے ساتھ حسن سلوک کا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ کی طرف عظمت وجلال اور شفقت کی نظر سے دیکھ کر فرمایا:

نہیں ہم اس کے ساتھ نرم معاملہ کریں گے اور وہ جب تک ہمارے ساتھ رہے گا ہم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے۔

سبحان اللہ، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا عفو و درگذر کتنا زیادہ اور آپ کی نرمی کتنی بلند و بالا ہے۔

اور اس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کو معاف فرما دیا اور اس کی جان بچالی اور اس واقعہ کے بعد اس کی زندگی اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایا میں سے ایک ہدیہ ہو گئی۔

اور اس طرح سے پھر جب کبھی عبداللہ بن اُبی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہوتی تو اس کی قوم اس کو ملامت کرتی اور بُرا بھلا کہتی اور اس کو یاد دلاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پہ کتنا بڑا احسان ہے حتیٰ کہ ایک دن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب سے فرمایا۔

اے عمر تمہاری کیا رائے ہے، بخدا اگر میں عبداللہ بن اُبی کو اس روز

قتل کر ڈالتا جس دن تم نے مجھے اسے قتل کرنے کو کہا تھا تو اس کی وجہ سے بہت سے لوگ بدک جاتے اور اگر انہی لوگوں کو میں آج اس کے قتل کرنے کا حکم دوں تو وہ خود اس کو قتل کر ڈالیں گے اور یہ بالکل صحیح بات تھی، اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی میں اس کے قتل کی اجازت دے دیتے تو اس کی وجہ سے اس کی قوم کے بہت سے لوگ ناراض ہو جاتے۔ لیکن آپ کے حُسنِ معاملہ اور حسنِ تدبیر نے تمام لوگوں کو اس کے خلاف کر دیا اور سب اس سے ناراض ہو گئے اور اس سے نفرت کرنے لگے حتیٰ کہ اس کا بیٹا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اس بات کی اجازت مانگ رہا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر دے اور اس وجہ سے حضرت عمر سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے:

بخدا میں نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میرے حکم سے زیادہ بابرکت اور مفید تھا۔

ٹھیک اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ آپ غزوہ بنوالمصطلق کے تمام امور سے فارغ ہو گئے ہیں اور عبداللہ بن اُبی کے فتنہ کی سرکوبی کر دی ہے عین اس وقت مدینہ منورہ کی فضاؤں میں کچھ افواہیں گردش کر رہی تھیں اور مجلسوں میں ایک بات پر کانا پھوسی ہو رہی تھی اور ادھر سے اُدھر کچھ باتیں اور افواہیں گردش کر رہی تھیں جن کا محور

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلمانوں کے لشکر سے پیچھے رہ جانا اور حضرت صفوان بن معطل کے ساتھ تنہا مدینہ منورہ واپس لوٹنا تھا، بعض چغلخوروں نے تو ایک ہاتھ اور آگے بڑھ کر حضرت عائشہ اور حضرت صفوان کے بارے میں کھلم کھلا غلط بات کہنا شروع کر دی، جن لوگوں نے ان دونوں کی طرف صراحۃً غلط بات کی نسبت کی تھی اور اس میں آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ان میں سے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن حمنہ بنت جحش اور شاعر اسلام حسان بن ثابت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک عزیز مسطح بن اثاثہ بھی تھے۔

عبد اللہ بن اُبی کو ان افواہوں میں اپنی شریر نفس کا دل خوش کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بھڑاس اور کینہ و حسد نکالنے کے لئے بہترین موقعہ مل گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اس کے ہاتھ آ گیا تھا چنانچہ وہ ان باتوں کے اِدھر اُدھر پھیلانے اور مشہور کرنے میں لگ گیا۔

جس وقت اہل مدینہ میں یہ باتیں گردش کر رہی تھیں اس وقت حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھیں اور ان کو کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کے بارے میں کیا کیا غلط باتیں مشہور کی جا رہی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کی والدہ ام رومان ان کی دیکھ بھال میں مشغول تھیں اور ان کو خوب معلوم تھا کہ ان کی بیٹی کے بارے

tobaa-elibrary

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں کیا غلط پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے لیکن یہ اپنی بیٹی سے ان باتوں میں سے کسی بات کا تذکرہ کرنے کی طاقت نہ رکھتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان باتوں کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا اور آپ کو اس سے سخت صدمہ اور دکھ ہوا اور آپ اس شش و پنج میں گرفتار ہو گئے کہ کیا اس بات پر کان دھریں اور اعتماد کریں جو حضرت عائشہ اور صفوان کے بارے میں اہل مدینہ کہہ رہے ہیں یا اس کے بجائے حضرت عائشہ کے ایمان پاکبازی اور عفت و بلند نفسی جس کا آپ کو بخوبی علم تھا اور حضرت صفوان کے اخلاص و تقویٰ کی وجہ سے ان دونوں کو پاک باز اور بے عیب تصور کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے چین اور مضطرب رہے اور آپ نہ کسی ایک رائے پر قائم رہ سکے اور نہ ایک حالت پر برقرار رہ سکے اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ جب آپ حضرت عائشہ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے تو ان سے اور ان کی والدہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ پاتے۔

کیا حال ہے؟ کیسی طبیعت ہے اور پھر اس سے زائد اور کوئی بات کہے بغیر وہاں سے واپس ہو جاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان اور حیرت زدہ ہو گئیں، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں صحت کی حالت میں الفت و محبت اور شفقت و پیار کا عادی بنایا تھا اور اب جب کہ وہ بیمار کمزور اور صاحب فراش تھیں تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانۂ صحت سے زیادہ الفت و محبت کی امید تھی .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برتاؤ جس کا سبب حضرت عائشہ کو معلوم نہ تھا اس کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور اس کی وجہ سے وہ سخت غمگین ہو گئیں اور ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میری بیماری آپ پر شاق ہو رہی ہے آپ سے عرض کیا: اگر مجھے آپ اجازت دے دیں تو میں اپنی والدہ کے یہاں چلی جاؤں وہ میری تیمارداری کر لیں گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں چلی جاؤ.

حضرت عائشہ وہاں سے اپنے والد کے گھر منتقل ہو گئیں جہاں ان کی والدہ ان کی تیمارداری کرتی رہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خشک برتاؤ سے سخت متعجب اور غمگین رہیں. بعض لوگوں کی باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا تھا کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لائے اور کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا، اے لوگو! بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ میرے اہل وعیال کے بارے میں باتیں کر کے مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور غلط باتیں کرتے ہیں، بخدا میں نے انہیں اچھا اور

پاک باز ہی پایا اور یہ الزام ایک ایسے شخص پر لگاتے ہیں جس کو بخدا میں نے شریف اور نیک ہی پایا ہے اور وہ میرے گھروں میں سے کسی بھی گھر میں میرے غیر موجودگی میں کبھی داخل نہیں ہوا۔

یہ سن کر اوس کے سردار حضرت اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول اگر یہ لوگ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم ان کا بندوبست کرلیں گے اور اگر وہ لوگ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہیں تو ان کے بارے میں آپ ہمیں جو حکم دینا چاہیں دے دیں اس لئے کہ خدا کی قسم یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں چونکہ حضرت عائشہ وصفوان کے بارے میں غلط باتیں کرنے والوں کی اکثریت کا تعلق خزرج سے تھا اس لئے عبداللہ بن اُبی نے اپنی قوم میں یہ بات چھپانے اور مشہور کرنے میں بہت نشاط سے کام کیا تھا، اس لئے حضرت اسید بن حضیر کی یہ بات سن کر خزرج والے غصہ میں کھڑے ہو گئے اور قریب تھا کہ اوس و خزرج میں سخت جنگ چھڑ جائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت وتدبیر سے اس کو رفع دفع کرا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ اس معاملہ میں اپنے بعض مخلصین سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے پاس علی بن ابی طالب اور اسامہ

tooba-e-library.blogspot.com

بن زید کو بلایا اور لوگوں کی مشہور کردہ باتوں کے بارے میں ان سے ان کی رائے پوچھی تو حضرت اسامہ نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور آپ نے انہیں اچھا ہی پایا ہے اور یہ بات جو لوگ اڑا رہے ہیں یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔

حضرت علی نے یہ فرمایا کہ اے اللہ کے رسول اور عورتیں بہت ہیں اور آپ ان کے بجائے دوسروں سے شادی کر سکتے ہیں۔ آپ باندی سے پوچھ لیجیے وہ سچی بات بتلا دے گی۔

چنانچہ حضرت عائشہ کی باندی بریرۃ کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی۔ حضرت علی نے اسے دھمکایا اور مارا اور اس سے کہا: اللہ کے رسول سے بالکل سچ سچ کہو لیکن وہ حضرت عائشہ کی تعریف کرنے میں تھک نہیں رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ: بخدا مجھے تو ان کے بارے میں خیر اور اچھائی کا ہی علم ہے اور میں حضرت عائشہ کو کسی بات پر ٹوکتی تھی تو صرف یہ تھی کہ میں آٹا گوندھ دیا کرتی تھی اور ان سے کہا کرتی تھی کہ اس کی نگرانی کرنا اور دیکھ بھال رکھنا لیکن وہ سو جایا کرتی تھی اور بکریاں آ کر اسے کھا لیا کرتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے پاس معلومات کرنے تشریف لے گئے جن کی بہن حمنہ ان لوگوں میں

سے تھیں جنہوں نے اس مسأله پر باتیں کی تھیں۔ حضرت زینب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میں تو اپنی آنکھ اور کانوں کی حفاظت کرتی ہوں اور غلط بات سے بچاتی ہوں۔ میں نے حضرت عائشہ کو نیک و صالح ہی پایا ہے۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس جاکر ان کو وہ باتیں بتلا دیں جو لوگوں نے ان کے سلسلہ میں مشہور کر رکھی تھیں اور پھر ان سے صحیح بات کے بارے میں معلوم کریں۔

اس وقت تک حضرت عائشہ کو بھی لوگوں کی ان باتوں کا علم ہو چکا تھا اور ان کو ان کی ایک قریبی عزیزہ نے یہ سب کچھ بتلا دیا تھا اور یہ باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت پر بہت بُرا اثر پڑا تھا اور وہ شفایاب ہو چکی تھیں لیکن یہ باتیں سن کر دوبارہ بیمار پڑ گئیں اور نہایت کمزور ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی لڑی جاری تھی جو رکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ چنانچہ وہ مستقل رو رہی تھی اور اب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دور دور رہنے اور الگ تھلگ ہونے کے راز کا علم ہو چکا تھا اور ان کو یہ بات بہت شاق گذری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ایسی بدگمانی پر کان کیوں دھرے اور آپ ان کے سلسلہ میں

شک و شبہ میں کیوں مبتلا ہوئے۔

حضرت عائشہ نے اپنی والدہ سے بھی اس بات کی شکایت کی کہ انہوں نے یہ بات ان سے چھپائے کیوں رکھی۔ چنانچہ اپنی والدہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، لوگوں کو جو باتیں بنانا تھیں وہ بناتے رہے اور آپ نے مجھ سے کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا؛ تو ان کی والدہ نے فرمایا: میری پیاری بیٹی ذرا تحمل سے کام لو، اس لئے کہ بخدا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس خوبصورت بیوی ہو اور وہ شخص اس کو چاہتا بھی ہو اور اس عورت کی اور سوکنیں بھی ہوں تو وہ اس کے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتی ہیں اور دوسرے لوگ بھی باتیں بناتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت عائشہ کے پاس ان کے والدین بھی بیٹھے تھے اور وہ رو رہی تھیں اور ان کے برابر ایک انصاری عورت بھی بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عائشہ! بات یہ ہے کہ جو بات تم کو لوگوں کی طرف سے پہنچی ہے وہ تو ہو چکی اب خدا سے ڈرو اور اگر بالفرض تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کر لو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

tooba-e-library

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ فرما چکے تو حضرت عائشہ کی بری و پاکباز اور غیر مجرم نفس کی قوت اور کرامت و عزت کے شعور کے جوش نے ان کی آنکھوں سے آنسو خشک کر دیئے اور وہ اپنے والدین کی طرف دیکھتی رہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیتے ہیں لیکن ان کے والدین بالکل خاموش رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے تو انہوں نے ان دونوں سے کہا: آپ دونوں جواب کیوں نہیں دیتے ؟! ان کے والدین نے کہا: بخدا ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ ہم کیا کہیں۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ ان کے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کر رہے ہیں جو انہیں آپ کی نظروں میں بری کر سکے تو ان کے آنسوؤں نے ان کا دم گھونٹ دیا اور وہ دوبارہ رونے لگیں اور پھر فوراً ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

خدا کی قسم آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی معافی میں ہرگز نہیں مانگوں گی اور نہ توبہ کروں گی اس لیے کہ خدا کو یہ معلوم ہے کہ اگر میں اس بات کا اعتراف کروں جو لوگ کہہ رہے ہیں حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اس سے قطعاً بری ہوں۔ تو میں اس بات کا اقرار کیوں کروں گی جو ہوئی نہیں ہے اور اگر میں اس بات کا انکار کر دوں جو لوگوں نے مشہور کر رکھی ہے تو آپ لوگ

میری تصدیق نہیں کریں گے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ذرا دیر کے لئے خاموش ہوئیں اور پھر فرمایا: میں تو وہی بات کہوں گی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے فرمائی تھی:

((فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ)) یوسف - ۱۸

اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو۔

اس دردناک ابتلاء و امتحان میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حضرت عائشہ کی توقع سے زیادہ ان کے قریب تھی اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ آپ کی وہ کیفیت ہو گئی جو وحی نازل ہونے کے وقت ہوا کرتی تھی، حاضرین نے آپ کو چادر اڑھا دی اور سرہانے تکیہ رکھا اور سب یہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پریشانی اور بے چینی کو دور کرنے کے لئے آپ پر اپنی وحی نازل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کسی قسم کے جزع فزع اور گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا، لیکن ان کے والدین کی حالت یہ تھی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ختم نہیں ہو گئی اس وقت تک یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس خوف و ڈر سے ان کی جان نہ نکل جائے کہ اللہ کی

tooba-elibrary.blogspot.com

tooba-elibrary.blogspot.com

جانب سے ایسی آیات نازل ہو جائیں جس سے لوگوں کی مشہور کی ہوئی غلط بات کی تصدیق ہوتی ہو۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہو کر تشریف فرما ہو گئے اور اپنی پیشانی سے پسینہ کے ان قطرات کو پونچھنے لگے جو آپؐ کے چہرۂ مبارک پر بہہ رہے تھے اور آپ کا چہرہ روشن، چمکدار اور ہشاش بشاش تھا۔

اور آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ خوشخبری سن لو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری بری ہونے کی وحی نازل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے رخصت ہو کر مسجد تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے اللہ کے اس فضل و رحمت کو بیان کیا جو حضرت عائشہ کے شامل حال تھا اور ان کو وہ آیات کریمہ تلاوت کر کے سنائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اس مسئلہ کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔

پھر آپؐ نے حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، حمنۃ بنت جحش (یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف علانیہ طور سے غلط بات کی نسبت کی تھی) کو کوڑے لگانے کا حکم دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے کوڑے

e-library.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

مارنے کا حکم دیا تھا وہ کوڑے مارے گئے۔ اللہ تعالٰی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ میں یہ حکم دیا:

«وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ	پاک دامن عورتوں کو، پھر نہ
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ	لائے چار گواہ تو ان کو اسّی درے
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا	مارو، اور قبول نہ کرو ان کی گواہی
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ	کبھی اور وہی لوگ نافرمان
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ»	ہیں۔

(النور ـ ۴)

❖

toobaa-elibrary.blogspot.com

خوشا چشم کو دید آں روئے زیبا
خوش دل کہ دارد خیال محمدؐ

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۸

صلح حدیبیہ

((وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ
وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ إِنْ
أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلٰكِنَّ
أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ))

(الانفال - ۳۴)

اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ
کرے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں
مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار
والے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی
ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اکثروں
کو اس کی خبر نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر مطلع کرتے رہتے تھے کہ وہ ان مشرکین سے کس قدر ناراض ہیں جو نیک و صالح مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے اور اس کا حج کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے جو حرکتیں یہ لوگ اختیار کرتے ہیں اس کا بدلہ لینے کے لئے ان مشرکین کے لئے جو عذاب مقرر کر رکھا ہے اور سزا تیار کر رکھی ہے وہ بیان کرتے رہتے تھے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کئے ہوئے مسلمانوں کو چھ سال ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

چکے تھے اور اس عرصہ میں ان کے دل اس کعبہ کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جس سے انہیں دور کر دیا گیا تھا اور ان کی نفوس اس بیت اللہ کے پاس جانے کے لئے بے تاب تھیں جس کے پاس تمام قبائل عرب کو جانے کی اجازت تھی لیکن قریش نے اس کو مسلمانوں کے لئے حرام کر رکھا تھا اور اس کی زیارت سے مسلمانوں کو روک رکھا تھا۔

ایک روز صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے۔

«لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ   تم داخل ہو کر رہو گے مسجد الحرام میں اگر
إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ» (الفتح۔ ۲۷)   اللہ نے چاہا آرام سے۔

یہ سن کر مسلمانوں کی خوشی و سرور کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اتنے خوش ہوئے جسے بتایا نہیں جا سکتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت خوش کن خبر سنائی تھی اور مسلمانوں نے یہ یقین کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی سچا خواب دکھایا گیا ہے جس نے ان کے سامنے اس آرزو پورا ہونے کے دروازے کھول دیئے ہیں جس کے وہ ایک عرصہ سے متمنی اور بے تاب تھے۔

مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرما لیا ہے کہ مسلمان اس کے

بہت عتیق مسجدِ حرام کی زیارت کریں۔

لیکن سوال یہ تھا کہ مسلمان مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟! اور بیتِ حرام کی زیارت کس طرح کریں گے جب کہ قریش ان کے شدید دشمن ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کے منتظر ہیں؟! کیا مسلمان قریش سے جنگ کریں گے اور قریش ان سے؟! یا یہ کہ قریش ان کے زیارت بیت اللہ جانے کے لئے راستہ کھول دیں گے؟!

ذی قعدہ کے مہینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے لوگوں میں حج کے لئے جانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مسلمان سفر کے لئے سامان تیار کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں پھیل گئے اور اللہ کے بیت کی تکریم اور اعزاز میں ذبح کرنے کے لئے بکریوں کو جمع کرنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب قبائل میں اپنے ساتھ حج پر جانے کی منادی کرادی۔ چنانچہ بعض قبیلہ والوں نے آپ کی منادی پر لبیک کہی اور بعض نے تاخیر کی اور بہت سے قبائل پیچھے رہ گئے اور یہ عذر کرنے لگے کہ: ہمیں اہل وعیال اور اموال نے مشغول کر دیا اور پھر ان میں کے بعض بعض سے یہ کہنے لگے کہ، مسلمان تو دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اپنے گھر والوں اور اہل وعیال کے پاس کبھی بھی واپس نہ آسکیں گے۔

مکہ کے سفر کے لئے مسلمانوں نے تیاری مکمل کر لی۔ چنانچہ یہ حضرات مدینہ

منورہ سے نکلے اور جو اہلِ عرب ان کے ساتھ جانا چاہتے تھے وہ ان کے ساتھ ہو لئے اور سب کے سب چل پڑے اور چودہ سو آدمیوں کا یہ قافلہ عمرہ کا احرام باندھ کر چل پڑا۔ آگے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصوئی نامی اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ تھیں۔ قربانی کے لئے اپنے ساتھ ستر اونٹ اور بکریاں لے جا رہے تھے ہتھیاروں میں ان کے پاس صرف نیام میں رکھی ہوئی تلواریں تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی جانب چل پڑے اور چلتے چلتے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا جس کا نام سرزمین عسفان تھا۔ وہاں خیمے لگا دیے، جانور باندھ دئے اور کھانا پکانے کے لئے آگ جلالی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمرہ کی نیت سے نکلنے کی اطلاع قریش کو ملی اور وہ اس صورتِ حال سے متحیر ہو گئے کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ آئیں گے اور اس کے باوجود کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگیں اور لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ پھر بھی آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔

قریش نے اپنے شہسواروں کا ایک لشکر تیار کیا جس کے امیر خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ چنانچہ یہ دونوں اس لشکر کو لے کر ذی طوٰی نامی جگہ پر پہنچے اور مسلمانوں کا انتظار کرنے کے لئے وہاں چھپ گئے۔

مسلمانوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ قریش نے ان کے استقبال کے لئے کیا کچھ

tobaa-elibrary

تیار کر رکھا ہے۔ ابھی مسلمان عسفان میں اپنے پڑاؤ میں ہی تھے کہ انہوں نے ایک شہسوار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اور وہ بنو خزاعہ کے بشر بن سفیان تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو یہ معلوم تھا کہ بنو خزاعہ کی اکثریت ان کی طرف ہے اور وہ لوگ ان سے سچی بات کریں گے اور ان کی خیر خواہی اور بھلائی چاہیں گے۔

اس لئے انہوں نے بشر سے قریش کے بارے میں دریافت کیا۔ چنانچہ بشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کہا:

قریش کو آپ کی روانگی کا علم ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی طبیعتوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور انہوں نے بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہا اس لئے انہوں نے جنگجو شہسواروں کی ایک طاقت ور جماعت آپ لوگوں کی جانب روانہ کر دی ہے اور وہ لوگ مکہ کے قریب ہی آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ اپنی کمین گاہوں سے آپ لوگوں پر اچانک بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے آپ لوگوں کو ختم کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاکت ہو قریش کے لئے انہیں تو جنگوں نے ختم کر دیا۔ اگر یہ لوگ میرے اور دیگر تمام قبائلِ عرب کے درمیان رکاوٹ ختم کر کے راستہ کھلا چھوڑ دیتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا اس لئے کہ اگر وہ عرب مجھے ختم کر دیں تو ان کی خواہش و تمنا پوری ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ دے دیتا تو وہ کثرت سے اسلام میں داخل ہو

جاتے، بخدا جس دین کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے میں اس کے لئے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غلبہ نہ دے دے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف یہ فرماتے ہوں توجہ فرمائی۔

اے میری قوم قریش تمہیں روکنے کے لئے نکلے ہیں۔ اس لئے اگر ہم اسی راستہ پر چلتے رہے تو ہمارے اور ان درمیان ٹکراؤ ہو جائے گا جو خونریزی کا سبب بنے گا اور یہ مجھے پسند نہیں ہے، یہ بتلاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو ہمیں اس راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے لے جائے جس پر قریش ہمارے منتظر بیٹھے ہیں۔

صحرائی راستوں کے واقف قبیلہ اسلم کے ایک شخص آگے بڑھے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ کام میں انجام دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر تم قافلہ کے اگلے حصّے میں چلے جاؤ اور ہم تمہارے پیچھے آتے ہیں۔

چنانچہ ان صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی اور اسے لے کر پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ایک نامانوس اور غیر معروف راستہ پر چلنے لگے۔ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے تھے، یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کو ایک ایسی سرزمین پر لے گئے جو ہموار اور صاف ستھری تھی اور پھر انہیں دائیں

tooba-e-library

طرف لے چلے اور ایک معروف راستہ پر چلتے رہے حتیٰ کہ نچلی جانب سے مکہ کے اطراف تک پہنچ گئے۔ وہیں پر حدیبیہ مقام کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، لوگوں نے اسے اٹھانے اور چلانے کی بہت کوشش کی لیکن اس اونٹنی نے وہاں سے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوئی تکلیف ہو گئی ہے یا کسی روکنے والی چیز نے اسے روک دیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اونٹنی تھک گئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اس کا ٹھہر جانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور اللہ کی طرف سے اس میں کوئی حکمت ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو یہ فرماتے ہوئے وہیں اترنے کا حکم دیا، قریش آج کے دن مجھ سے جو بھی ایسا راستہ اختیار کرنے کو کہیں گے جس میں صلہ رحمی ہوتی ہو تو میں اس کو مان لوں گا۔

لوگوں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول یہاں تو کوئی چشمہ بھی نہیں ہے جس پر ہم قیام کر سکیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر ان میں سے ایک صاحب کے حوالہ کیا وہ اس تیر کو لے کر چاروں طرف پھیلے ہوئے خشک کنوؤں ——— میں سے ایک کنویں میں اترے اور اس میں اس کو گاڑ دیا۔ چنانچہ وہاں سے پانی ابلنے لگا۔ پانی کو ابلتا دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطمئن ہو گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال لیا اور خود بھی

سیراب ہونے لگے اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلانے لگے۔

مکہ کے کفار نہایت متفکر اور شدید پریشان ہو گئے اور انہوں نے اپنی تمام آرزوئیں اس امید پر قائم کی ہوئی تھیں کہ مسلمانوں کی تیاری اور جنگ کے لئے ہوشیار ہونے سے قبل ہی خالد بن ولید اپنے لشکر سمیت ان پر اچانک حملہ کر ڈالیں گے، خالد کفارِ مکہ کے پاس آئے اور انہیں بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حدیبیہ مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ ان کی تدبیر اور منصوبہ ناکام ہو چکا ہے اس لئے اب انہیں کیا کرنا چاہیئے ؟!

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں کفار مکہ نے ان کے گھروں سے رات کو نکالا تھا اس وقت وہ ان کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ مہاجرین وانصار ان کے ساتھ ہیں اور ان کفار مکہ نے اگرچہ مسلمانوں کو جنگ احد میں وقتی شکست بھی دے دی تھی لیکن انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت وبہادری اور دین وعقیدہ کی خاطر جفاکشی اور ثابت قدمی کا تجربہ بھی کر لیا تھا۔

قریش کے سربراہ وسرکردہ لوگ دوبارہ اپنی مشورہ گاہ دار الندوہ میں جمع ہوئے اور وہ بہت غمگین اور سخت ڈرے ہوئے تھے۔

اگر مسلمان ان کے شہر اور ان کے گھروں میں داخل ہو گئے تو اس کی وجہ سے تمام عرب قبائل سے قریش کا رعب وہیبت ختم ہو جائے گی۔

اس لئے انہوں نے اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور یہ قسم اٹھائی کہ جب تک ان کے جسموں میں جان ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہوں گے ۔

آراء کا تبادلہ ہوتا رہا ۔ منصوبے بنتے رہے اور اس پر غور ہوتا رہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ سے باہر ہوتے ہوئے ان کو ڈرا دھمکا رہے ہیں اور خود قریش میں ان کی پیروی اور اتباع کرنے والے موجود ہیں جو ان کے رسول ہونے پر ایمان لائے ہیں ۔ اس لئے اگر بالفرض یہ لوگ بھی مسلمانوں سے مل گئے تو یہ قریش کی پشت میں ایک کانٹا بن جائیں گے ۔

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں تو ایسی صورت میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم انہیں تدبیر اور بات چیت کے ذریعہ واپس کرنے کی کوشش کریں اور اگر وہ ہمارے خلاف کچھ کرنا چاہیں گے اور ہم پر جنگ مسلط کریں گے اور ہم سے لڑیں گے تو ہم جنگجو اور شہسوار ہیں اور جنگ احد کے آثار اب تک ان کے ذہنوں میں تھے ۔

ابوسفیان نے کہا: اے عرب کے بھائی تمہاری کیا رائے ہے ؟

اس شخص نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بنو خزاعہ کے کچھ آدمی بھیج دیں جو ان سے مل کر ان کا مقصد معلوم کریں ۔

ابوسفیان نے کہا: تم نے بنو خزاعہ کا انتخاب کیوں کیا ہے ۔ ہمیں

tooba-elibrary

ان کے مکر کرنے کا ڈر ہے اس لئے کہ وہ تو ان کے دوست اور مخلص ہیں۔

اس شخص نے جواب دیا، آپ بنو خزاعہ سے غداری کا خوف نہ کھائیے اس لئے کہ مکہ میں ان کی جائیداد اور بیوی بچے اور بوڑھے اور عورتیں ہیں۔ بھلا جب ان کی ارواح اور جانیں ہمارے قبضے میں ہیں تو وہ ایسی صورت میں غدر کیسے کریں گے۔ قریش نے اس رائے کو پسند کیا اور اس سے اتفاق کیا اور اس غرض کے لئے ان کی نظرِ انتخاب بدیل بن ورقا خزاعی پر پڑی جو اس وفد کے سربراہ ہوں گے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کا استقبال کیا۔ بدیل نے آپ کے سامنے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا۔

قریش کے پاس جاکر ان سے یہ کہو، مسلمان بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں اور وہ اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں اس لئے اگر قریش اس بات پر صلح کرلیں کہ ہمیں راستہ دے دیں گے اور وہاں تک جانے دیں گے تاکہ ہم مذہبی شعائر کو ادا کرلیں اور پھر ہم طواف کرکے زیارت سے فارغ ہوکر وہاں سے چلے جائیں تو اس پر صلح کرلیں۔

وفد مکہ مکرمہ واپس چلا گیا اور قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا پیغام پہنچا دیا، پیغام سن کر قریش میں از سر نو اختلاف پیدا ہو گیا۔

ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی جائے اور ان کو بیت الحرام آنے دیا جائے۔ دوسرا فریق اس کے خلاف تھا اور اس رائے کی مخالفت کر رہا تھا۔

ابوسفیان نے کہا، کیا تم اپنے دشمنوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ تمہاری سرزمین کو اپنے پاؤں تلے روندیں اس طرح سے تو تم اپنے سروں پر ہمیشہ کے لئے ذلت و رسوائی کو باندھ لو گے۔

لوگوں نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوسفیان نے کہا: میرا خیال یہ ہے کہ تم ان کے پاس حبشیوں کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیج دو اس لئے کہ وہ ایک ایسی قوم کا سردار ہے جو طاقت و قوت اور جنگ میں مشہور ہے اس لئے اگر حلیس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم سے روک سکے تو مسئلہ حل ہو گیا اور اس کے ذریعہ ہم ان سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور وہ ہمیں ان کے شر سے بچا لے گا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی بات نہ مانی اور اسے واپس کر دیا تو وہ غیرت میں آجائے گا اور ہمارے ساتھ مل کر اور ہماری صفوں میں شامل ہو کر ان سے جنگ کرے گا۔

حلیس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آتے دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا: یہ دیکھو حلیس آرہا ہے اور اس کا ایک ایسی قوم سے تعلق ہے جو خدا کو مانتی ہے اور ھدی کی تعظیم و احترام کرتی ہے اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھول دو تاکہ وہ دیکھ لے اور یہ سمجھ لے کہ ہم صلح و آشتی کی فضا میں صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں نے اونٹوں اور بھیڑوں دنبوں کو کھول دیا حلیس نے ان جانوروں کو دیکھا کہ ان کے گلے میں قلادے پڑے ہوئے ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ یہ جانور اللہ کے راستہ میں قربانی کرنے کے لئے ہیں اور زیادہ وقت گذرنے کی وجہ سے ان قلادوں نے وہاں کے بال ختم کر دئے تھے۔ یہ دیکھ کر حلیس نہایت متاثر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے بغیر ہی مکہ واپس ہو گیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ قریش کو بتلا دیا تو قریش نے اس نے اس سے کہا: تم تو دیہاتی بدو ہو تمہیں کیا پتہ ہے۔

یہ سن کر حلیس سخت ناراض ہو گیا اور اس نے ان سے کہا: بخدا ہم نے تم سے اس لئے معاہدہ نہیں کیا تھا؟ اور نہ اس پر صلح کی تھی؟ کیا جو اللہ کے گھر کی تعظیم کے واسطے آئے تم لوگ اس کو روک دو گے؟ یہ عجیب بات ہے کہ بیت اللہ کے حج کے لئے تمام عرب قبائل تو آئیں لیکن اس سے

عبدالمطلب کے اس صاحبزادے کو روک دیا جائے جو تم میں حسب ونسب وعزت وشرافت والے ہیں. سن لو اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بیت اللہ آنے سے روکا تو میں تہامہ کے تمام حبشہ والوں کو بیک آواز جمع کروں گا اور ان کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ کروں گا.

قریش حلیس کے غصّہ وناراضگی سے خوف زدہ ہوگئے اور ان کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگے اور ان سے کہنے لگے: اے حلیس تم ذرا سا ٹھہر جاؤ تاکہ ہم اپنے لیے جو پسند کرتے ہیں اسے طے کریں.

قریش نے پھر یہ سوچا کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی شخص کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجنا چاہیئے تاکہ وہ شخص ان کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دے. چنانچہ انہوں نے اس کام کے لئے عروۃ بن مسعود کو منتخب کیا. چنانچہ جب قریش کے سرکردہ لوگوں نے اس موضوع پر عروۃ سے گفتگو کی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ اس سے پہلے جو پیغامبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے تھے. قریش نے انہیں کس طرح بے وقوف گردانا تھا یہ سوچ کر عروہ نے اس کام کے کرنے سے عذر خواہی کی لیکن وہ ان سے کہتے رہے اور ان کو مجبور کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفیر بن کر جانا منظور کر لیا.

عروۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا.

tooba-elibra

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اپنے شہر اس ارادہ سے آئے ہیں کہ اس کو اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لئے ان لوگوں کے ساتھ مل کر فتح کرلیں جنہیں آپ نے مختلف قبائل عرب سے اکٹھا کیا ہے؟ یاد رکھئے کہ قریش آپ کے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں اور آپ لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے انہوں نے چیتوں کی کھال پہن رکھی ہے اور اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ ان کے شہر میں زبردستی ہرگز داخل نہیں ہو سکتے اور میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ جنہیں آپ نے اکٹھا کیا ہے یہ آپ کو چھوڑ کر تتر بتر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کی بات کاٹ کر باآواز بلند فرمایا۔

تو ذلیل و رسوا ہو جاؤ! بخدا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہرگز نہ بھاگیں گے۔

عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے ہوئے آپ کی لحیۂ مبارک کو ہاتھ لگاتا جاتا تھا۔ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے تھے جب بھی عروہ اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لحیۂ مبارک کو لگانا چاہتا تو حضرت مغیرہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر فرماتے: اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک

ry.blogspot.com

سے دور رکھو۔

عروہ نے یہ محسوس کرلیا اور یقین کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مکہ صرف اس بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں جو تمام عرب کا کعبہ ہے اور آپ کی آمد کا مقصد اس گھر کی تعظیم وتکریم ہے نہ کہ جنگ کرنا اور خون خرابہ کرنا۔

عروہ قریش کے پاس یہ سب کچھ دیکھ کر واپس آیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ان کے لئے کیسے جانثار اور شیدائی ہیں اور اس نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے کہا:

اے قریش کی جماعت میں کسریٰ کی بادشاہت کے دور میں کسریٰ کے یہاں اور قیصر کے دور حکومت میں قیصر کے یہاں اور نجاشی کی بادشاہت میں نجاشی کے یہاں گیا ہوں، بخدا میں نے کسی بادشاہ کو کسی قوم میں ایسا معظم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں میں ہیں، وہ وضو نہیں کرتے مگر یہ کہ ان کے جانثار ان کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں، ان کے جسم کا کوئی بال نہیں جھڑتا مگر یہ کہ وہ اسے اٹھا لیتے ہیں اور میں نے تو ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو ان کو ہرگز کسی کے حوالہ نہیں کر سکتی اس لئے تم اپنی رائے پر غور وفکر کرلو۔

یہ سن کر قریش حیرت میں پڑ گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ کے لئے کس رائے کو اختیار کرنا چاہیئے اس لئے کہ انہیں بخوبی معلوم ہو چکا تھا کہ آپ بیت اللہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ آپ جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ خصوصاً جب کہ یہ بات ان کے یہاں دلیل سے ثابت ہو چکی تھی اور اس کی دلیل یہ تھی کہ ان کے بے وقوفوں اور ناسمجھوں کی ایک جماعت مسلمانوں کے خیموں کی طرف چلی گئی اور ان پر پتھر اور تیر برسانا شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر کے قریش کے پاس جانے دیا اس لئے کہ آپ خون خرابہ نہیں کرنا چاہتے تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے ایک قاصد کو قریش کے پاس اپنے آنے کا مقصد بتانے کے لئے بھیج دیں اور ان سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ وہ لوگ آپ کو آپ کا مقصد و ارادہ کو پورا کرنے دیں۔

اس مقصد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کی اپنے ایک عزیز ابان بن سعید سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمان کو قریش کی تکالیف سے بچانے کے لئے اپنی امان اور پناہ میں لے لیا تاکہ وہ پیغام رسانی کر سکیں۔

tobaa-elibra

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل قریش سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے مسلمانوں کی بات پر لبیک کہنے یا ان کے ارادے کے سامنے گردن جھکانے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا اور حضرت عثمان سے کہا:

اے عثمان اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو طواف کر لیجئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا: میں تو اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کریں۔

عبداللہ بن اُبی بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھا۔ قریش نے اس کو پیغام بھیجا کہ: اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو آجاؤ اور طواف کرو، تو ان کے بیٹے نے ان سے کہا:

میرے ابا! میں آپ کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں آپ ہمیں ہر جگہ ذلیل نہ کریں کیا آپ خود طواف کر لیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہیں کیا ہو گا؟!

یہ سن کر عبداللہ بن اُبی نے بھی قریش کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قریش کا پیغام لانے والے سے کہا: میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہیں کر لیتے۔

عبداللہ بن اُبی کی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم ہوئی اور آپ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔

قریش کے سرداروں اور حضرت عثمان بن عفان کے درمیان طویل بات چیت و مذاکرات ہوتے رہے اور اس طرح حضرت عثمان کو مکہ میں کافی وقت تک رکنا پڑا حتیٰ کہ مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ یہ سن کر سخت ناراض ہو گئے اور محرم اور حرام مہینے میں اس غداری کی خبر سن کر آپ اپنے صحابہ سے یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ: ہم اس وقت تک اس جگہ سے نہیں ہلیں گے جب تک قریش سے مقابلہ نہ کر لیں۔

اور باوجود اس کے کہ آپ جنگ سے بچنا چاہتے تھے لیکن جب حضرت عثمان کو شہید کرنے کی اطلاع آپ کو ملی تو آپ نے جنگ کا عزم کر لیا اور تمام مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دستِ مبارک پر بیعت رضوان کی اور یہ عہد کیا کہ اس وقت تک لڑیں گے جب تک جسم میں جان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

مسلمان ابھی بیعت کر ہی رہے تھے کہ قریش نے یہ طے کیا اور اس

بات پر تیار ہو گئے کہ حضرت عثمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سہیل بن عمرو کو بھیجا جائے تاکہ وہ آپ سے یہ صلح کرلیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سال واپس ہو جائیں اور آئندہ سال زیارت کے لئے آجائیں اور وہ یہ کہنے لگے: اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عرب ہمارے بارے میں یہ کہنے لگیں کہ وہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے شہر میں زبردستی طاقت کے بل بوتے پر داخل ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے پاس لوٹ آئے اور ان کے پیچھے پیچھے سہیل بن عمرو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے آگیا اور سہیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

میں آپ کے پاس ایک ایسا معاہدہ لایا ہوں جس میں آپ اور ہمارے دونوں کے لئے بھلائی اور سلامتی ہے اور ہماری اور آپ کی دونوں کی جانوں کی حفاظت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ کیا شرطیں ہیں جو تمہاری قوم نے تمہیں بتلا کر بھیجی ہیں؟

سہیل نے کہا: اس سال آپ لوگ مکہ مکرمہ سے بغیر زیارت کئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آپ لوگ آجائیں ہم تین دن کے لئے آپ لوگوں کے لئے بیت اللہ خالی کر دیں گے تاکہ آپ ان میں مناسک

اور شعائر ادا کریں، لیکن آپ لوگوں کے ساتھ سوائے تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ ہوگا اور تلواریں بھی نیام میں ہوں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور کیا بات ہے؟

سہیل نے کہا، آپ لوگ ہم سے یہ معاہدہ کرلیں کہ قریش کا جو شخص آپ کے پاس اپنے سرپرست و ذمہ دار کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر آئے گا اسے آپ مکہ واپس بھیج دیں گے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے جو شخص مکہ آئے گا قریش اس کو مسلمانوں کی طرف لوٹانے کے پابند نہ ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لئے خاموش رہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اور کیا شرائط ہیں؟

سہیل نے کہا، آپ لوگ ہم سے دو سال کے لیے صلح کرلیں جن میں جنگ نہ ہوگی اور لوگ اس عرصہ میں امن و سکون سے رہ سکیں گے اور ایک دوسرے سے اپنے آپ کو دور رکھیں گے۔ یہ قریش کی شرطیں ہیں اس لئے آپ لوگ سوچ لیں مشورہ کرلیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی یہ شرطیں مان لیں۔ یہ دیکھ کر مسلمان حیرت زدہ ہوگئے اور نہایت تعجب میں پڑ گئے۔ پھر وہ جوش میں آگئے اور غصہ سے بھر گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے

لگے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی ان شرطوں کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟ ہم جنگ کر سکتے ہیں اور اگر قریش ہمیں بات چیت اور نرمی سے بیت اللہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تو ہم اس کے لئے مکہ مکرمہ میں زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

اے ابو بکر! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟!

حضرت ابو بکر نے فرمایا: کیوں نہیں۔

حضرت عمر نے فرمایا: کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

حضرت ابو بکر نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: کیا یہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: تو پھر ہم اپنے دین کو نیچا کیوں کریں اور دین کے معاملہ میں ایسی تکلیف دہ شروط کو قبول کر کے ذلت کو کیوں قبول کریں؟

حضرت ابو بکر نے فرمایا: اے عمر! اپنی جگہ اور مقام پر ہی رہو۔ اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: اور میں بھی اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بھی وہی گفتگو کی جو حضرت ابوبکر سے کی تھی، جسے سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور یہ اللہ کا فیصلہ ہے اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت عمر یہاں سے نہایت منکسر اور رنجیدہ ہو کر واپس ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا تاکہ سہیل بن عمرو کے ساتھ جن شروط پر اتفاق و معاہدہ ہوا ہے وہ لکھ لی جائیں

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

سہیل نے کہا: میں تو رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتا ہوں آپ یوں لکھیں باسمک اللھم۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو باسمک اللھم۔ جب حضرت علی وہ لکھ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو۔ یہ وہ شروط ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سہیل بن عمرو سے صلح و معاہدہ کیا ہے۔

cyblogspot.com

سہیل نے حضرت علی کا قلم پکڑ لیا اور کہا: ایسا نہ کریں اس لئے کہ اگر قریش آپ کو رسول مان لیتے تو آپ سے ہرگز جنگ نہ کرتے اس لئے آپ اور آپ کے والد کا نام لکھا جانا چاہئیے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی یوں لکھو: یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے اور اس طرح سے جن شرطوں کے ساتھ سہیل بن عمرو سے معاہدہ ہوا تھا وہ معاہدہ نامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو املاء کرا دیا اور اس صلح میں قبیلہ خزاعہ والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے تھے اور قبیلہ بنو بکر والے قریش کے ساتھ، بہرحال معاہدہ نامہ لکھا گیا اس پر دستخط ہو گئے اور دونوں فریقوں کے کچھ آدمیوں نے بھی اس پر دستخط کر دئیے۔

ابھی معاہدہ پر دستخط کئے ہی گئے تھے کہ مسلمانوں کے پاس قریش کے ایک صاحب آئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کیا۔ ان صاحب کا نام ابوجندل بن سہیل بن عمرو تھا۔ سہیل نے جب اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کے آنے کی وجہ معلوم ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ اپنے بیٹے کے منہ پر رسید کر دیا اور پھر گلے سے پکڑ کر قریش کی جانب لے جاتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اور آپ کے درمیان بات پکی ہو چکی ہے اور

اب آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو رکھیں جو قریش کے پاس سے آیا ہو۔

ابو جندل مسلمانوں سے فریاد رسی اور مدد طلب کرنے کے لئے چیخنے لگے اور فرمانے لگے: اے مسلمانوں کی جماعت کیا مجھے مشرکوں کے پاس لوٹا دیا جائے گا تاکہ وہ مجھے میرے دین سے پھیر سکیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو جندل سے اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکے کہ:

اے ابو جندل صبر کرو اور اجر کی امید رکھو اس لئے کہ اللہ تعالےٰ تمہارے اور ان مسلمانوں کے لئے جو کمزور و ضعیف ہیں آسانی اور عذاب سے بچانے کا راستہ پیدا کرنے والا ہے۔ ہم نے قریش سے معاہدہ کر لیا ہے اور انہوں نے اللہ کے نام کے واسطے سے معاہدہ کیا ہے اس لئے اب ہم ان کے ساتھ غدر نہیں کر سکتے۔

اور اس طرح سے مسلمان باوجود سخت ناراضگی اور زبردست غم کے ابو جندل کی امداد کے لئے اپنے ہاتھ نہ پھیلا سکے اور ابو جندل کو باوجود مسلمان ہونے کے قریش سے معاہدہ کی وجہ سے قریش کے پاس لوٹ کر جانا پڑا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قربانی کے جانوروں کو ذبح کر دیا اور پھر مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

مسلمان جب مدینہ منورہ سے چلے تھے اس وقت ان کی کیفیت اور حالت کچھ اور تھی اور اس وقت ان کی کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی اس لئے کہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے اس بیت اللہ اور کعبہ کے حج کی غرض سے چلے تھے جس سے ان کو ایک طویل زمانہ سے محروم رکھا گیا تھا لیکن جب وہ واپس ہوئے تو وہ اس معاہدہ نامہ کی وجہ سے نہایت غمگین اور شاکی تھے جس کی وجہ سے بظاہر قریش کو بہت فائدہ ہوا تھا اور مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا، لیکن ان کے پاس اس معاہدہ کے قبول کرنے اور اس پر صلح کرنے کی کوئی وجہ اور سبب نہ تھا، جاتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ وہ عنقریب بیت اللہ کی زیارت کریں گے لیکن اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ایک ایسا معاہدہ کر لیا تھا جو ان کے خیال میں مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ تھا اور جس مقصد کے لئے یہ نکلے تھے یعنی بیت اللہ کی زیارت' اس کے بغیر ان کو واپس آنا پڑا تھا۔ اس میں کیا راز تھا؟ اور اس میں کیا حکمت مخفی تھی؟ مسلمان اس کو نہ سمجھ سکے اور نہ اس کا ادراک کر سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے لگے اور انہوں نے آپ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا لیکن حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی جواب نہ سنا حضرت

عمر نے پھر سوال کیا اور پھر سوال کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اس حالت میں واپس گئے کہ وہ بہت غمگین تھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے یہ پوچھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائی ہے اور قریش کی شروط قبول کرنے کے سلسلہ میں بار بار مراجعت کر کے تکلیف پہنچائی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ساتھیوں کے ساتھ چلتے چلتے اللہ تعالے سے اس بات پر مغفرت طلب کر رہے تھے کہ ان سے اللہ کے رسول کے حق میں گستاخی ہو گئی ہے کہ ایک پکارنے والے نے آواز لگائی: اے عمر بن الخطاب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات سے ڈرتے ڈرتے گئے کہ کہیں ان کے بارے میں اللہ تعالے اپنے نبی پر قرآن کریم کی آیات نازل نہ فرمادی ہوں۔

وہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں اور خوشی کے مارے چہرہ مبارک دمک رہا ہے اور ان سے فرما رہے ہیں:

مجھ پر ایک ایسی سورت نازل کی گئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وہ تلاوت کر کے سنائی۔

«إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا	ہم نے فیصلہ کر دیا آپ کے واسطے
لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ	صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے آپ کو
مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ	اللہ جو آگے ہو چکے آپ کے گناہ اور جو
نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ» (الفتح ۱ و ۲)	پیچھے رہے اور پورا کرے آپ پر اپنا احسان۔

مسلمان اسے سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کی پریشانی دور ہو گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے جو صلح کی ہے اس صلح میں ان کے لئے فتح مبین ہے اگرچہ اس وقت اس کی حکمت و راز ان سے مخفی تھا۔

اور مسلمانوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں جو صدمہ تھا وہ اس بات پر تھا کہ آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کی زیارت اور طواف کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سفر میں زیارت کرو گے؟ تو صحابہ نے عرض کیا: جی نہیں، تو آپ نے فرمایا: عنقریب تم اللہ کے حکم سے ضرور وہاں جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور ابھی انہیں وہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ مکہ سے ان کے پاس ایک صاحب مسلمان ہو کر آئے جن کا نام ابو بصیر تھا اور انہوں نے مسلمانوں کی پناہ میں آنا چاہا

ان کے پیچھے ان کے سرپرستوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو عامر کے ایک شخص کے ہمراہ جس کے ساتھ اس کا آزاد کردہ غلام بھی تھا ایک خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ باہمی متفقہ معاہدہ کے مطابق ابو بصیر کو مکہ واپس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر سے فرمایا:

اے ابو بصیر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے ہم قریش والوں سے معاہدہ کر چکے ہیں اور ہمارا دین ہمیں غدر کی اجازت نہیں دیتا ہے اس لئے تم اپنی قوم کے پاس چلے جاؤ۔ ابو بصیر نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، کیا آپ مجھے ان مشرکوں کے پاس واپس لوٹا دیں گے تاکہ وہ مجھے میرے دین سے ہٹا دیں حالانکہ اللہ نے مجھے ان کی قید سے بھاگنے کا موقع عنایت فرمایا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ جو کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے راستہ پیدا فرما دے گا اس لئے تم ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیر ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چل دئے لیکن [illegible] کی وجہ سے ان کا دم گھٹا جا رہا تھا اور مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے ان کی ڈھارس بندھائی کہ: اے ابو بصیر خوشخبری حاصل کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے راستہ پیدا کرے گا۔

ابو بصیر قریش کے دونوں قاصدوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے

tooba-e-library

رخصت ہو گئے راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ پر آرام کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے کہ ابوبصیر نے قریش کے قاصد عامری سے کہا کہ ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھا دو۔ اس نے تلوار ان کو دے دی انہوں نے تلوار لے کر اس عامری کو مار ڈالا۔ اس کے دوسرے ساتھی نے جب یہ دیکھا کہ ابوبصیر نے اس کے ساتھی کو قتل کر ڈالا ہے تو وہ مدینہ کی طرف بھاگ نکلا اور وہ شخص مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے آتے دیکھا تو فرمایا: اس شخص نے کوئی دہشت ناک چیز دیکھی ہے۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا ہو گیا تم کیوں پریشان ہو؟

اس شخص نے جواب دیا: آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر ڈالا ہے۔ میں اس سے جان چھڑا کر بھاگ نکلا۔ اگر میں بھاگ کر جان نہ بچاتا تو وہ مجھے بھی میرے ساتھی کی طرح قتل کر ڈالتا، یہ شخص ابھی اپنی گفتگو بھی مکمل نہ کر پایا تھا کہ ابوبصیر اس عامری کی تلوار گردن میں لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے:

اے اللہ کے رسول آپ کا معاہدہ پورا ہو گیا اور اللہ نے آپ کے عہد کو پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان لوگوں کے حوالہ فرما دیا تھا لیکن میں نے اپنے دین کو فتنہ و آزمائش سے اور اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیا ہے۔

اور اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو قریش کے

قاصد کے ساتھ واپس بھیج کر قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کو پورا کر دیا۔ اور ابو بصیر نے اپنے آپ کو اپنے محافظوں سے چھڑا لیا تھا اس لئے اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں آتی تھی۔

ابو بصیر مدینہ سے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ وہ خود واپس جانا نہیں چاہتے تھے اور قریش سے معاہدہ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں رک نہیں سکتے تھے۔ ابو بصیر کو سمندر کے ساحل پر ایک ٹھکانہ مل گیا چنانچہ وہ وہاں چلے گئے اور سمندر کی مچھلیوں اور اپنے ساتھ موجود کھجوروں پر گزارہ کرنے لگے۔

مکہ مکرمہ میں جو ضعیف و کمزور مسلمان تھے ان کو ابو بصیر کے اس انجام کار کا علم ہوا لیکن وہ پھر بھی قریش کے عذاب سے جان بچانے کے لئے بھاگنے سے نہ رکے بلکہ وہ اور جری ہو گئے اور وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلتے اور ساحل سمندر پر ابو بصیر کے ساتھ جا ملے۔

اس طرح بھاگ کر آنے والوں کی ایک ایسی مضبوط جماعت بن گئی جو قریش کے ان تجارتی قافلوں کو لوٹنے لگی جو مسلمانوں سے اس معاہدہ کے بعد بلا خوف و خطر نڈر و مامون طریقے سے اس متعارف راستہ کے ذریعہ سمندر کی محاذات میں سفر کیا کرتے تھے۔

اس صورت حال سے قریش نہایت پریشان ہو گئے اس لئے کہ یہ

cy.blogspot.com

مسلمان جو ان کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور ان کے مامون و پرسکون راستہ کو انہوں نے پرخطر بنا دیا تھا تاکہ لوٹ مار کے ذریعہ اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کر سکیں اور یہ اس لئے کہ ان کا ساز و سامان مکہ مکرمہ میں تھا اور یہ اس صورت حال پر اس لئے مجبور ہو گئے تھے کہ قریش سے معاہدہ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ میں روک نہیں سکتے تھے۔

اور قریش نے یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو یہ شرط لگائی ہے اور اس کے ذریعہ ان پر اپنی حیثیت جتانا اور بڑائی کا اظہار کرنا چاہا ہے یہ ان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے ان کے نقصان کا ذریعہ بنی ہے اس لئے کہ قریش نہ تو ان لوگوں کو واپس لے جا سکے جو ان کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اور نہ وہ ان کو قید کر کے اپنے پاس محفوظ کر سکے اور نہ ہی وہ ان سے جنگ کرنے کی قدرت رکھتے تھے نہ اس کے لئے فارغ تھے۔

قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رشتہ کا واسطہ دے کر یہ درخواست کی کہ آپ ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا کر اپنے ساتھ ملا لیں تاکہ وہ لوگ ان کے حملوں لوٹ ڈالنے وغیرہ سے چھٹکارہ پا لیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے بھاگ کر آنے والے ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیا اور اس طرح سے قریش اس شرط سے دستبردار ہو گئے جس سے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تھی اور جو

ان کی ناراضگی کا سبب تھی اور اب مسلمان مکہ مکرمہ سے بلا کسی روک ٹوک کے مدینہ منورہ آنے لگے اور مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔

لیکن مکہ مکرمہ کی وہ عورتیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں اور وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آتی تھیں ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر چکی تھیں اور تنعیم کی جانب ایک گاؤں میں ان کے رشتہ دار رہا کرتے تھے جن سے ملنے یہ وقتاً فوقتاً جایا کرتی تھیں، ایک مرتبہ انہوں نے اپنے گھر والوں سے یہ کہا کہ وہ ان عزیزوں سے ملاقات کے لئے جا رہی ہیں اور پھر مکہ سے مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکل پڑیں تاکہ اپنی اور اپنے دین کی حفاظت اور عقیدہ کی بقا کے لئے مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں اور ان کے زیر سایہ رہیں۔

راستہ میں ان کی ملاقات خزاعہ کے ایک شخص سے ہوئی جس کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے اور مدینہ منورہ جانے کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ ان صاحب نے ان کے ساتھ مدینہ منورہ تک جانے کا بیڑہ اٹھایا اور ان کو عافیت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

حضرت ام کلثوم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئیں اور انہیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی اور یہ بتلایا کہ انہیں ڈر ہے کہ کہیں

قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مکہ واپس نہ بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام کلثوم کے معاملہ کی خبر دی تو آپ نے انہیں اطمینان دلایا اور ان کے خوف وڈر کو ختم کر دیا۔

حضرت ام کلثوم کو تلاش کرنے اور واپس لے جانے کا مطالبہ کرنے کے لئے ان کے دو بھائی عمارۃ اور ولید مدینہ منورہ آئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ فرما کر واپس کر دیا۔

معاہدہ کا اطلاق ہجرت کرنے والی مسلمان عورتوں پر نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ عورت جب مسلمان ہو جائے تو وہ کسی کافر کے لئے حلال نہیں رہتی۔

اس اقدام کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ حکم دیا تھا۔ ارشاد ہے:

((يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ
الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ
مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ
إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا
هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ)) الممتحنہ - ۱۰)

اے ایمان والو جب آئیں تمہارے پاس ایمان
والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اور
اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو
کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیر دو ان کو کافروں
کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کو
اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو۔

حدیث

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ،
وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(ابوداؤد)

۱۹

غزوہ خیبر

اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس لئے میری اس طرح سے مخالفت نہ کرنا جس طرح حواریین نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی مخالفت کی تھی۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مندرجہ بالا جملہ فرما رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پوچھا۔

اے اللہ کے رسول حواریین نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی مخالفت کس طرح کی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ: حضرت عیسیٰ نے انہیں اس چیز کی دعوت دی تھی جس کی دعوت میں نے تمہیں دی ہے۔ پھر انہوں نے جس کو قریبی علاقہ میں بھیجا وہ راضی رہا اور ان کی بات مانتا رہا اور جس کو دور بھیجا اس نے وہاں جانے کو ناپسند کیا اور بوجھل بن گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اپنے ارادہ سے باخبر کر دیا

تھا اور انہیں یہ بتلا دیا تھا کہ آپ ان میں سے بعض کو بعض اہم جہات کی طرف بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عزم کیا تھا اور جس مقصد کے لئے بعض صحابہ کو بھیجنا چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ آپ اپنے کچھ قاصدوں کو بڑی بڑی حکومتوں اور وہ ملک جو جزیرۂ عرب کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے سربراہوں کے پاس بھیجنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان بادشاہوں کے پاس آپ کے خطوط لے جائیں جن کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی دعوتِ دین کے قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا چاہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا جملہ اپنے صحابہ سے اس لئے فرمایا تھا تاکہ اس کام سے پیچھے نہ رہیں اور اس سلسلہ میں کسی ہیبت یا گھبراہٹ میں گرفتار نہ ہو یا ان بادشاہوں کے پاس جانے میں کوئی خوف محسوس نہ کریں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے پیغام کو لے جانے پر اپنی بخوشی و رضا آمادگی اور ان ممالک میں جانے پر اپنی مکمل تیاری کا اظہار کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے جو یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے اس میں آپ بالکل حق پر تھے۔ اس لئے نہیں کہ آپ کے صحابہ میں ہمت نہیں تھی یا وہ وہاں جانے میں

متردد ہو سکتے تھے۔ یہ بات ہرگز نہ تھی بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ جو پروگرام آپ کے ذہن میں تھا وہ اتنا عظیم الشان اہم اور بڑا تھا کہ جس کو وہی شخص عملی جامہ پہنا سکتا اور نافذ کر سکتا تھا جو اس دین کی طرف دعوت دینے میں اعتماد اور مطمئن القلب اور فکرمند ہو اور اللہ تعالیٰ پر عظیم اعتماد و بھروسہ اور کامل و پکا ایمان رکھتا ہو۔

اور اس عظیم کام کی ذمہ داری کو وہی اٹھا سکتا تھا جو اس کام کو دل سے چاہتا ہو اور اس کو پورا کرنے اور تکمیل تک پہنچانے کا اس میں داعیہ ہو، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور ارادہ تھا اور وہی آپ کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جواب تھا جو آپ پر پورا اعتماد کرتے اور آپ کی پُر حکمت باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط کے لکھنے کا حکم دیا جن کو بادشاہوں کے پاس اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں بھیجنا تھا، چنانچہ وہ خطوط لکھ دئیے گئے اور یہ خطوط فارس کے کسریٰ ابدیز (وہ حکومت جس نے اپنی طاقت وقوت سے دوسرے ممالک کو مغلوب کر رکھا تھا) اور روم کے قیصر ہرقل (جو کہ اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر اہل فارس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرنے اور ان کے زیر اثر علاقوں کو ان سے چھیننے پر قادر ہوا تھا) اور مصر کے بادشاہ مقوقس اور حیرہ کے بادشاہ الحارث الغسانی اور یمن

کے شاہ الحارث الحمیری وغیرہ بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے رؤساء کے نام تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے نجاشی کے پاس دو خط بھیجے تھے۔ ایک میں اس سے مسلمان ہونے کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے خط میں اس سے ان مسلمانوں کے واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا تھا جو ابتداء اسلام میں قریش کے ظلم سے تنگ آکر پناہ کی تلاش میں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے، اور اس خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ ام حبیبہ سے آپ کی شادی کے سلسلہ میں آپ کی طرف سے وکیل بن جائیں۔ حضرت ام حبیبہ کا نام رملہ بنت ابی سفیان بن حرب تھا جو اسلام لے آئی تھیں اور ان کے شوہر عبداللہ بن جحش بھی مسلمان ہو گئے تھے اور دیگر مہاجرین کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے، پھر عبداللہ حبشہ میں جاکر عیسائی ہو گئے تھے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تھا لیکن ام حبیبہ مسلمان ہی رہی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط پر مہر لگائی تھی جس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

جن قاصدوں کو رسول اللہ صلی اللہ نے ان کے خطوط کے لے جانے کے لئے منتخب کیا تھا وہ قاصد ان خطوط کو لے کر ان ممالک کی طرف روانہ ہو گئے جہاں انہیں بھیجا گیا تھا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچنے لگے کہ اب

tooba-e-library

پروگرام اور منصوبہ کی وجہ سے کیا چیز وجود میں آسکتی ہے اور کس کس چیز کا احتمال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی تھی، ان بادشاہوں میں بہت سے بادشاہ ایسے تھے جو وسیع الصدر اور حلیم و بردبار بھی تھے جیسے کہ حبشہ کے نجاشی اور ان میں ایسے بھی تھے جو ظالم و سرکش و متکبر تھے جیسے کہ فارس کا کسریٰ اور ان میں ایسے بھی بادشاہ تھے جو آپ کی دعوت پر عقل و ہوش اور غور و فکر سے کام لیتے اور ایسے بھی تھے جو اس کو غصہ اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے، ان میں سے ایسے بھی تھے جو آپ کی پیروی کرتے یا آپ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتے اور ایسے بھی تھے جو آپ سے جنگ کرنے کے لئے دوسروں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے۔

صلح حدیبیہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی طرف سے مامون ہو گئے تھے اور ان کی عداوت و دشمنی کے شر سے بچ گئے تھے اور اس طرح سے آپ نے اپنے آپ کو اس فتنہ و شر سے بچا لیا تھا جس کا اہل مکہ سے اس صورت میں امکان تھا جب جزیرہ عرب کے جنوبی جانب کی وہ حکومتیں ان کے ساتھ مل جاتیں جن کی جانب آپ نے اسلام کی دعوت و پیغام بھیجا تھا یا یہ حکومتیں آپ کے خلاف کسی اور کو ملا کر جنگ کی کوشش

کریں، لیکن اب بھی وہاں پر جزیرہ نما عربیہ میں آپ کے دشمن موجود تھے اور وہ خیبر کے وہ یہودی تھے جن کے ساتھ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بہت سے وہ یہود بھی مل گئے تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ ان کے علاوہ فدک اور تیماء وغیرہ کے یہود بھی تھے۔

یہ تمام اعداء اسلام یہودی کسی وقت بھی ان لوگوں کے بہترین مددگار و معاون بن سکتے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا چاہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے ان یہودیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا جو اس انتظار میں تھے کہ کسی مناسب موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آپ کو نقصان پہنچائیں اور یہ لوگ اپنی قوت و طاقت پر فخر کرتے تھے اور اپنے قلعوں کے محفوظ ہونے پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سینے تان کر یہ کہا کرتے تھے: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے لڑائی اور جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟! ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص صلح حدیبیہ میں موجود تھا وہ غزوہ خیبر کے لئے چلے اور جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک نہیں تھے وہ اگر چلنا چاہیں تو چل سکتے ہیں ان کو اجر و ثواب تو ملے گا لیکن ان کو مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اس قسم کے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت نے آپ کی بات پر لبیک کہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مدینہ منورہ سے

ایک ہزار چھ سو جنگجوؤں اور ایک سو شہسواروں کے ساتھ خیبر کی جانب چل پڑے۔

ایک روز صبح سویرے خیبر کے یہودیوں کے کاشت کار اور باغوں کے رکھوالے اپنے باغات اور کھیتوں کی جانب کدالیں اور کھیتی باڑی کا ساز و سامان لئے نکلے کہ اچانک ان کی نظر مسلمانوں کے اس لشکر پر پڑی جو ان کی جانب آرہا تھا اور ان کی اراضی کو گھیرے ہوئے تھا۔

یہودی کاشت کار گھبرا گئے اور ان پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ اپنی [illegible] آواز دیتے ہوئے الٹے پاؤں واپس ہوئے اور کہنے لگے، یہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، لشکر کو ساتھ لئے آرہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چیخ و پکار اور اپنی قوم کو متنبہ کرنے والے نعرے سن لئے اور فرمایا: خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔

یہود کے سردار فوری طور پر اکٹھا ہوئے اور مسلمانوں کے حملہ سے بچاؤ اور ان سے مقابلہ کی تدابیر سوچنے لگے، ان کے سردار سلام بن مشکم نے انہیں مشورہ دیا اور اس کے مطابق انہوں نے اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو اپنے قلعوں میں سے ایک قلعے میں داخل کر دیا اور ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کو دوسرے قلعہ میں محفوظ کر دیا اور لڑنے والے اور وہ خود تیسرے قلعہ میں داخل ہو گئے۔

غطفان والوں کا یہود کے ساتھ معاہدہ تھا اس لئے یہود نے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی مدد کے لئے اپنے آدمی بھیجیں جو ان کو محمد صلی اللہ

علیہ وسلم) سے نجات دلانے میں مدد دیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر پہلے سے متنبہ تھے اس لئے آپ نے غطفان والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ یہود کی مدد نہ کریں اور یہود اور مسلمانوں کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں تو مالِ غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ دیا جائے گا۔

اور اس طرح سے مسلمانوں نے خیبر کے یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کے اور ان کے باغات اور کھیتوں کے درمیان حائل ہو گئے۔

یہود نے اپنے دفاع میں سر دھڑ کی بازی لگا دی اور مسلمانوں کے محاصرہ پر صبر کر کے نہیں بیٹھے بلکہ پہلے روز سے ہی مسلمانوں کے ساتھ شدید جنگ کی وجہ سے مسلمانوں کے زخمیوں کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔

لڑائی جاری رہی اور دن گذرتے رہے اور یہود اپنے قلعوں کی مدافعت میں نہایت بے جگری سے تیروں اور نیزوں سے جنگ کرتے رہے اور یہ لوگ کبھی تو مسلمانوں پر پتھر برساتے اور کبھی قلعوں سے اتر کر آمنے سامنے لڑنا شروع کر دیتے اور پھر اپنے بچاؤ کی خاطر قلعوں میں گھس جاتے۔

اسی اثناء میں سلام بن مشکم کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد حارث بن ابی زینب یہود کا قائد بن گیا اور حارث مسلمانوں سے ہاتھ در ہاتھ جنگ کرنے کے لئے قلعے سے باہر آگیا لیکن مسلمانوں نے اسے الٹے پاؤں واپس کر دیا اور وہ اور اس کے ساتھی از سر نو قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گئے۔

۵۷۰

موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ ایسا اقدام کریں جس سے جلد از جلد قلعوں کو فتح کیا جا سکے۔ اس لئے کہ محاصرہ کی مدت طویل ہونے سے جہاں قلعہ والوں کے لئے بھوک و پیاس سے ہلاک ہونے کا سامان تھا اسی طرح اس سے محاصرہ کرنے والوں کے لئے بھی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں اس لئے کہ مسلمان بھی بھوک اور پیاس کا نشانہ بن سکتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے کر اس قلعہ کو فتح کرنے بھیجا جس میں لڑنے والے جمع تھے۔ حضرت ابوبکر پورے دن لڑتے رہے اور پھر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

دوسرے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ بھی دن بھر لڑتے رہے اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے لیکن قلعہ پھر بھی فتح نہ ہو سکا۔

تیسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان کو جھنڈا دے کر فرمایا:

اس جھنڈے کو لے لو اور جا کر لڑو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لے گئے اور جب قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعو

tobaa-elibrary

والے لڑنے کے لئے قلعہ سے باہر آگئے۔ یہ ان سے لڑتے رہے۔ ایک یہودی نے ان کے ایک ضرب لگائی تو ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضرت علی نے قلعے کے پاس پڑا ہوا ایک دروازہ پکڑ لیا اور اس کو ڈھال بنا لیا اور لڑتے رہے اور وہ دروازہ ان کے ہاتھ میں رہا حتی کہ اللہ نے قلعہ فتح کرا دیا اور اس معرکہ میں حضرت علی نے قلعہ کے قائد حارث بن ابی زینب کو قتل کر دیا تھا۔

جس دروازہ کو حضرت علی نے ڈھال بنایا تھا اس کو مسلمانوں نے پل کے طور پر استعمال کر کے اس کے ذریعہ سے قلعہ کو عبور کر لیا اور قلعہ اور قلعہ میں جو کچھ اسلحہ وسامان تھا سب پر غالب آگئے۔ یہودی جنگجو وہاں سے اپنے دوسرے قلعہ میں منتقل ہو گئے۔

ایک جنگ کرنے والا جس کا نام مرحب تھا جو نہایت بہادر طاقت ور تھا وہ ہتھیار سے لیس ہو کر نکلا اور اس نے مسلمانوں کو مقابلہ کرنے اور لڑنے کی دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کون اس شخص سے لڑے گا؟

مسلمانوں کی صفوں میں سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ بخدا میں وہ شخص ہوں جو مصیبت زدہ اور غصہ سے بھرا ہوا ہے میں وہ شخص ہوں جس کا بھائی کل شہید ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کے مقابلہ کے لئے چلے جاؤ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کے لئے یہ دعا کی :

اے اللہ اس کے خلاف ان کی مدد فرما۔

حضرت محمد بن مسلمہ کے بھائی پر یہودیوں نے چکی کا پاٹ گرا دیا تھا، وہ تکان کی وجہ سے یہود کے قلعوں میں سے ایک قلعہ کے سایہ میں آرام کی خاطر بیٹھے ہوئے تھے، چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا تو لوہے کا خود ان کے چہرے میں گھس گیا اور چہرے کا گوشت اڑ گیا اور آنکھیں باہر آ گئی تھیں اور تھوڑی سی دیر میں وہ شہید ہو گئے تھے۔

حضرت محمد بن مسلمہ مرحب سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے جلدی سے آگے بڑھے اور اپنے بھائی کا بدلہ اور قصاص لینے کے جذبہ سے وہ سرشار تھے۔

دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل ایک ایسے مقام پر آئے کہ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا درخت حائل تھا جس کی ٹہنیاں بلند تھیں جن کو دونوں جنگ کرنے والوں نے اپنے لئے زرہ بنایا ہوا تھا۔ یہ دونوں ان ٹہنیوں کے درمیان لڑتے رہے یہاں تک کہ اس کی تمام شاخیں ختم ہو گئیں۔ اور ان دونوں کے درمیان اس درخت کا صرف تنہ رہ گیا۔

مرحب حضرت محمد بن مسلمہ پر کاری وار کرنے اور ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار سے ان پر جھپٹ پڑا۔ ابن مسلمہ نے اس وار سے بچنے کے لئے اپنی ڈھال

فوری طور سے آگے کردی اور تلوار ڈھال میں پھنس گئی اور مرحب اپنے ہتھیار کو اس ڈھال سے نہ نکال سکا۔ چنانچہ ابن مسلمہ نے اس پر وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر یہود کے قلعہ میں سے مرحب کا ایک بھائی جس کا نام یاسر تھا وہ میدان میں آگیا اور لوگوں کو مقابلہ کے لئے للکارنے لگا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی صفوں میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام میدان میں کودے حضرت صفیہ ان عورتوں میں سے تھیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھیں۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہ یاسر ان کے بیٹے کو قتل نہ کر ڈالے اس لئے وہ آگے بڑھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرا بیٹا مارا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اعتماد و بھروسہ کے لہجہ میں ان سے فرمایا بلکہ انشاء اللہ تمہارا بیٹا اس کو قتل کر دے گا۔ اور یہی ہوا اور حضرت زبیر نے یاسر نامی اس یہودی کو قتل کر ڈالا اور وہ بھی اپنے بھائی مرحب کے ساتھ جہنم رسید ہو گیا۔

اور اس طرح سے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان نہایت سخت اور شدید جنگ ہوتی رہی اور یہود مسلمانوں کے لیئے اپنا کوئی قلعہ بھی اس

وقت تک خالی نہیں کرتے تھے جب تک خوب اچھی طرح سے اس کا دفاع نہ کرلیں اور اپنی زمین کا ایک بالشت بھی اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک اس کی خاطر زبردست جنگ نہ کرلیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محاصرہ کے طویل ہونے سے مسلمانوں کو سخت مشکلات پیش آنے لگیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک و پیاس اور کھانے پینے کے سامان کی قلت کی شکایت کی تو آپ نے انہیں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی۔

ایک دن مسلمان یہودیوں کے گدھوں کے ایک ریوڑ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کو پکڑ کر ذبح کیا گوشت بنایا اور دیگوں کو آگ پر چڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گذرے تو وہ لوگ گدھوں کا گوشت پکا رہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا، کیا پکا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے کھانے سے روک دیا اور ہانڈیاں اور دیگیں پلٹنے کا حکم دیا اور فرمایا: شہری گدھوں کا گوشت تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

ایک دن مسلمانوں نے یہود کی دنبوں میں سے دو دنبے پکڑ لئے اور اس دن دو دنبوں کا تھوڑا سا گوشت اس کثیر تعداد میں کھانے والوں کے مقابلہ میں باوجود قلیل و کم ہونے کے مسلمانوں کے لئے نہایت خوشی اور

tooba-e-library

دعوت کا دن ہو گیا۔

اس عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی شخص آیا جو یہود کے دنبوں کے چرانے پر ملازم تھا اس کے ساتھ وہ دنبے بھی تھے جنہیں وہ چرایا کرتا تھا۔ اس راعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرا دل اسلام کے لئے منشرح ہو گیا ہے اس لئے مجھ پر اسلام پیش کر دیجئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر اس نے کہا:

اے اللہ کے رسول میں ان دنبوں کے مالک کے یہاں ملازم تھا اور یہ دنبے میرے پاس امانت ہیں میں ان کا کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو ان کے راستہ پر لے جاؤ اور ہنکاؤ خدا نے چاہا تو یہ اپنے مالک کے پاس لوٹ جائیں گی۔

وہ شخص کھڑا ہوا اور دنبوں کو ان کے راستہ پر لے گیا اور ان کو ہانکا اور سنگریزے ان کے مار کر کہنے لگا:

اپنے مالک کے پاس چلی جاؤ اس لئے کہ میں مسلمان ہونے کے بعد تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتا۔ چنانچہ وہ دنبے چلے گئے اور یہود کے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں داخل ہو گئے۔

وہ چرواہا مسلمانوں کے ساتھ مل کر آگے آگے بڑھ کر قلعہ میں بند

یہودیوں سے جنگ کرنے لگا۔ ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ یہودیوں کی جانب سے ایک پتھر اس کے لگا اور وہ شہید ہوگیا۔ مسلمان اس کو اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے آپ کے پیچھے رکھ دیا اور کپڑے سے اس کو ڈھانک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس شخص نے اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا اور یہ مارا گیا ہے یہ مسلمانوں میں کیسے شمار ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: یہ شہیدوں میں داخل ہے اور جنت والوں میں سے ہے اور اس وقت اس کے پاس دو بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں اس کے چہرے سے مٹی کو صاف کر رہی ہیں اور یہ کہہ رہی ہیں: خدا اس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے تیرے چہرے کو خاک آلود کیا اور خدا اسے قتل کر دے جس نے تجھے قتل کیا ہے۔

مسلمانوں پر بھوک کی حالت کوئی زیادہ طویل نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ان پر وہ قلعہ فتح کرادیا جس قلعہ میں یہودیوں کا غلہ اور کھانے پینے کا سامان اور غذا اور مختلف قسم کا سامان محفوظ تھا اور اس طرح سے مسلمانوں کو کھانے پینے کا اتنا سامان مل گیا جو ان کے لئے کافی ہوگیا اور جب سے ان کی ضروریات پوری ہوگئیں۔ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی معنوی قوت بہتر ہوگئی اور جسموں میں جان

آگئی اور ان میں ایسی قوت و عزم اور بہادری پیدا ہوگئی جو محاصرہ کے طویل ہونے میں ان کی مددگار اور جنگ کی شدت میں ان کی معاون بنی ۔

یہودیوں کے قلعے مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لاسکے اور فتح ہوتے گئے، اور وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے حملوں کا مقابلہ نہ کرسکے سوائے قلعہ زبیر کے جس کے فتح کرنے کے لئے مسلمانوں نے یہ تدبیر کی کہ انہوں نے پانی کے اس رخ کو موڑ دیا جو پانی قلعہ میں جاتا تھا اور ان کی سیرابی کے کام آتا تھا اور اس طرح سے اس قلعہ والے اس پر مجبور ہوگئے کہ قلعہ سے نکل کر محاصرہ کرنے والوں سے جنگ کریں اور اس طرح سے یہ قلعہ بھی فتح ہوگیا اس لئے کہ مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو جوش دلاتے رہے اور جہاد فی سبیل اللہ پر ان کو اور زیادہ ابھارتے رہے ۔ آپ خود بھی ان کے درمیان اپنے گھوڑے پر موجود تھے اور آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور اپنے سر اور چہرہ مبارک کو دو حفاظت کی چیزوں خود اور لوہے کی ٹوپی کے ذریعہ محفوظ کیا ہوا تھا ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اکثر قلعے فتح کرا دئے اور ان کی بہت سی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن گئے ۔

یہ صورت حال دیکھ کر یہود نے اپنے لئے اس کے علاوہ اور کوئی

چارۂ کار نہیں پایا کہ وہ اپنی جان اور مال بچانے کی خاطر آپ سے صلح کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد جس کا امیر کنانہ بن ابی الحقیق تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کے لئے بھیجا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس شرط پر صلح قبول کی کہ ان کی جو زمینیں فتح کی وجہ سے مسلمانوں کی ملکیت بن چکی ہیں ان زمینوں پر یہ یہود کاشت وغیرہ کریں اور اس سے جو پھل حاصل ہوگا وہ آدھا مسلمانوں کا ہوگا اور آدھا ان یہودیوں کا ان کی کاشت کاری وغیرہ محنت کے عوض۔

یہودیوں کے ساز و سامان اور اسلحہ کا بڑا حصّہ مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے طور پر ملا لیکن یہود کے وہ اموال اور سونا جو بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکلتے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اس میں سے مسلمانوں کو کچھ نظر نہ آیا۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا:

اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم)، ان چیزوں کو ہم نے سامانِ جنگ پر خرچ کر ڈالا اس لئے اس میں سے ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچا اور پھر اپنی بات کی سچائی کے اظہار کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خدا کی قسم بھی اٹھائی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اگر تمہارے پاس تمہارے اموال اور سونے کا کچھ بھی حصّہ ہوا تو تم اللہ اور اس کے

رسول کے عہد و ذمہ سے بری ہو گئے؟ کنانہ نے جواب میں کہا: جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر یہود اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بنالیا اور پھر یہود کے ان اموال اور سونے کی تلاش کا حکم دیا جن کے پائے جانے کا کنانہ نے انکار کیا تھا اور اس پر قسم اٹھائی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض ان یہودیوں سے جن کا کنانہ سے رابطہ تھا اس سلسلہ میں تحقیق شروع کر دی تو ان میں سے ایک یہودی نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے کنانہ کو یہود کے ان کھنڈرات میں سے ایک کھنڈر کے پاس پھرتے ہوئے دیکھا تھا مسلمانوں کو اس سے یہ بات صاف معلوم ہو گئی کہ یہود کے اموال ان کھنڈرات میں سے کسی کھنڈر میں ہی موجود ہیں۔

یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھنڈرات کی تلاشی اور ان کی زمینوں کے کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ کھنڈرات کی تلاشی لی گئی اور ان کی زمینیں کھودی گئیں تو ایک خوبصورت کھال کا بنا ہوا ایک تھیلا ملا جس میں یہود کے زیورات چھپائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ زیورات نکالے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنانہ کو دکھائے تو اس نے اس کا اعتراف کر لیا اور اس طرح سے اس کا قتل کرنا درست ہو گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔

tobaa-elibrar

پھر مسلمان یہودیوں کے قلعوں میں داخل ہو گئے اور اس کا سامان نکالنے لگے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں منادی کرا دی کہ کھا پی لو اور جانوروں کو کھلا دو لیکن اپنے ساتھ کچھ اٹھا کر نہ لے جاؤ اور اس طرح سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو یہودیوں کے سامان و دیگر چیزوں سے روک لئے سوائے اس کے جس کی ان کو اپنے کھانے پینے یا اپنے جانوروں کو کھلانے کی ضرورت تھی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کر سکے۔

یہود کے ہتھیار ڈالنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا اور ان کو توراۃ کے وہ صحیفے بھی واپس کر دیے جو مالِ غنیمت میں مسلمانوں کا حصہ بن گئے تھے۔

یہودیوں کے سابق سردار حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی کو یہ اعزاز بخشا کہ اس کو قیدیوں کی صف سے اٹھا کر مسلمانوں کی ماؤں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ ہوا یوں کہ قیدی عورتوں میں سے حضرت صفیہ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں، مسلمانوں میں سے ایک صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا آپ قریظہ اور نضیر کی سردار صفیہ کو حضرت دحیہ کو دے رہے ہیں حالانکہ وہ تو صرف آپ کی شان کے ہی لائق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلالو تاکہ انہیں کوئی دوسری باندی دے دیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صفیہ کو لایا جائے چنانچہ ان کو اور ان کی ایک چچازاد بہن کو حضرت بلال لے کر آئے اور راستہ میں ان کا گذر یہود کے مقتولین کی لاشوں اور ان کے جسم کے ٹکڑوں پر سے ہوا۔ جب صفیہ اور ان کی چچازاد بہن نے اپنی قوم کی لاشوں کو دیکھا تو رونے لگیں اور ان کی چچازاد بہن چلانے لگی اور بہت زور زور سے چیخنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال کا یہ فعل اچھا نہ لگا اور آپ نے یہ فرما کر نکیر کی: اے بلال کیا تم سے شفقت و رحمت چھین لی گئی تھی کہ تم دو عورتوں کو ان کی قوم کی لاشوں کے پاس سے لے کر گذرے۔

حضرت بلال نے عذر خواہی کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ اس فعل کو ناپسند فرمائیں گے اس لئے میں نے چاہا کہ یہ دونوں اپنی قوم کی شکست کا مشاہدہ کرلیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کی چچازاد بہن حضرت دحیہ کو دے دی اور صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان کے مسلمان ہونے پر ان سے نکاح کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ جو نرمی برتی تھی،

tobaa-elibrary

اس سے وہ اپنی حکومت کے زوال اور اپنے اوپر پیش آمدہ واقعات کو نہ بھول سکے چنانچہ وہ دل ہی دل میں عداوت رکھتے تھے اور آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی عورتوں میں سے ایک عورت مرحب کی بہن زینب بنت الحارث آئی اور اپنے ساتھ ایک بھنا ہوا دنبہ لائی اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ دنبہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا، آپ نے صحابہ کو اس کھانے میں شرکت کے لئے بلایا اور پھر آپ نے اس کی دست کی جانب اپنا دستِ مُبارک بڑھایا اور اس میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا۔ آپ کو دست کا گوشت ہی پسند تھا، آپ نے اسے منہ میں رکھا اور چبانا شروع کیا اور پھر اچانک فوراً ہی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اشارہ فرمایا کہ کھانے سے رک جائیں اور فرمایا:

ہاتھ روک لو، اس لئے کہ یہ دست مجھے بتلا رہی ہے کہ اس دنبہ میں زہر ملایا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت بشر بن براء جنہوں نے اس دست کا ایک ٹکڑا چبا لیا تھا یہ کہا: اے اللہ کے رسول بخدا مجھے بھی اس ٹکڑے میں یہ بات محسوس ہوئی تھی جو میں نے کھایا تھا لیکن میں اس کو اس لئے

نہ پھینک سکا کہ آپ کا کھانا بدمزہ ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلوایا، جب وہ آگئی تو آپ نے نہایت غصہ میں فرمایا: کیا تم نے دست میں زہر ملایا تھا؟! اس نے کہا: آپ کو کس نے بتلایا؟ آپ نے فرمایا: دست کے گوشت نے۔

اس نے اقرار کرلیا، آپ نے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: آپ نے میرے باپ چچا و شوہر کو قتل کر ڈالا اور میری قوم کو جو سزا دینا تھی وہ دی تو میں نے سوچا کہ آپ اگر نبی ہوں گے تو دنبہ آپ کو مطلع کردے گا اور اگر اور بادشاہوں کی طرح ہوں گے تو آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور چھوڑنے کا حکم دے دیا، مگر کچھ دیر بعد بشر کی حالت دگرگوں ہوگئی اور جلد ہی انتقال کر گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تو حضرت معاذ بن جبل کو وصیت فرمائی کہ یہود کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور ان کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کو ان کے دین پر برقرار رہنے دیں اور ان کو ان کے دین کے بارے میں تنگ نہ کریں۔

اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قریٰ کے یہودیوں کا

رُخ کیا وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور آپ نے جنگ شروع کر دی مگر وہ لوگ زیادہ دیر نہ رک سکے اور انہوں نے بھی خیبر کے یہودیوں کی طرح آپ سے صلح کر لی۔

لیکن فدک کے یہودیوں پر رعب بیٹھ گیا تھا اور خیبر کی خبروں نے ان کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس جیسے ہی یہ پیغام بھیجا کہ وہ یا تو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں یا اپنے مال و دولت سے دستبردار ہو جائیں تو انہوں نے فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا ایک وفد اپنے اموال کے نصف کے دینے پر صلح کے لئے بھیج دیا۔

تیماء کے یہود نے بغیر لڑائی اور جنگ کے اس جزیہ کے دینے پر آمادگی ظاہر کر دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مقرر کیا تھا اور اس طرح جزیرہ عرب کے یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شان و شوکت اور قوت ختم کر کے ان کے شر و فتنہ سے محفوظ ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے یہودیوں کا رُخ کیا تو قریش کی اکثریت یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ خیبر کے یہودیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان سے شکست کھا جائیں گے۔ اس لئے کہ انہیں خیبر

کے یہودیوں کی طاقت کا علم تھا اور وہ ان کے قلعوں کی مضبوطی اور محفوظ ہونے کو بخوبی جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان یہودیوں کو اپنے کثیر مال اور سرسبز و شاداب کھیتوں کا بہت فکر ہے اور ان کو پورا یقین تھا کہ یہود کا اپنی طرف سے مدافعت کرنا ان کے لئے زندگی موت کا سوال ہے۔ اسلئے انہیں یہ امید تھی کہ ان کو ایسی خبریں ملیں گی جن سے ان کے دلوں کو سرور حاصل ہوگا اور جو ان کے سینوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچائیں گی اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست اور نقصان اٹھانے کا ایسا یقین تھا کہ قریش کے ان چند افراد کے ساتھ جو یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غلبہ حاصل کر لیں گے اور فتح پالیں گے ان سے سو اونٹوں کی قیمت کی شرط لگاتے تھے۔

اور پھر قریش کو اطلاع مل گئی اور پہلی خبر اس طرح سے پہنچی کہ حجاج بن علاط سلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر آیا اور آپ کے دستِ مبارک پہ اسلام قبول کیا۔ حجاج کی بیوی اور مال و دولت مکہ میں تھی اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر قریش کو اس کے مسلمان ہونے کی اطلاع مل گئی تو وہ اس کے مال کو روک لیں گے اس لئے اس نے چاہا کہ کسی حیلہ و بہانہ سے اپنے اموال کو ان سے چھڑا لے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیبر پر غالب آگئے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

tooba-elibrar

میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول! مکہ میں میری بیوی ام شیبہ بنت ابی طلحہ کے پاس میرا مال و دولت ہے اور کچھ مال مکہ کے مختلف تاجروں کے پاس ہے اس لئے آپ مجھے اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں اس کو کسی تدبیر و حیلہ سے اکٹھا کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بات کی یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ جو چاہو کہہ دو۔

چنانچہ حجاج خیبر سے مکہ کے ارادہ سے نکلے جب وہ اس کے قریب پہنچ گئے تو مکہ والوں کی ایک جماعت سے ان کی ملاقات ہوئی جو اس لئے مکہ سے نکلے تھے تاکہ مسافروں اور گذرنے والوں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں معلوم کرلیں، انہوں نے جب ان کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ وہ دیکھو حجاج بن علاط آرہے ہیں ان کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں ضرور ہوں گی۔

پھر وہ سب کے سب ان کے گرد جمع ہوگئے اور ان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی خبریں اور حالات معلوم کرنے لگے لیکن ان کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ حجاج اسلام قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ حجاج نے ان سے کہا:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں میرے پاس ایسی خبر ہے جو تم سب کو مسرور اور خوش کردے گی، یہ سن کر سب کے سب حجاج کی اونٹنی سے لپٹ گئے اور اس

کو چلنے سے روکنے لگے تاکہ وہ ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں بتلا دیں۔

اور یہ کہنے لگے: اے حجاج بتلاؤ نا کیا خبر ہے۔

حجاج نے کہا: انہیں ایسی زبردست شکست اٹھانی پڑی ہے جس کی مثال نہیں ملے گی اور ان کے ساتھیوں کو ایسا قتل کیا گیا ہے جس کی نظیر تم نے نہ دیکھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قید کر لیا گیا ہے اور یہودیوں نے یہ کہا ہے کہ ہم ان کو اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب تک کہ انہیں اہل مکہ کے پاس نہ بھیج دیں تاکہ وہ انہیں اپنے سامنے ان لوگوں کے بدلے میں قتل کر دیں جنہیں انہوں نے مارا تھا۔

لوگ خوشی کے مارے نعرے بلند کرنے لگے اور ان کے ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ جب مکہ میں داخل ہو گئے تو وہاں والوں کو یہ کہہ کر اطلاع دینے لگے کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں جس خبر کا انتظار تھا وہ خبر آ گئی اور اب تمہیں اس وقت کا انتظار کرنا پڑے گا جب ان کو یہاں لا کر تمہارے سامنے قتل کیا جائے گا۔

اہل مکہ جلدی جلدی حجاج کے پاس پہنچے اور ان سے اس خبر کی تصدیق کرنے لگے اور وہ ان کے سامنے اس کی تصدیق کرتے رہے اور کہنے لگے: اے میرے ساتھیو میرا جو مال مکہ میں ہے اس کے اکٹھا کرنے میں میری مدد کرو اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ دوسرے تاجروں کے وہاں پہنچنے سے

پہلے خیبر جاؤں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی شکست سے فائدہ اٹھالوں۔

اہل مکہ نے نہایت جوش و نشاط اور ہمت سے جلدی جلدی حجاج کے اموال کو جمع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حجاج کی نقل کردہ خبر آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو پہنچی تو ان کو اس سے شدید صدمہ ہوا اور وہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے اور حجاج کے پاس آئے اور ان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مشہور خبر کی تنہائی میں تصدیق چاہی۔

حضرت حجاج نے محسوس کر لیا کہ حضرت عباس کو اپنے بھتیجے کی خبر کا کتنا صدمہ ہے اس لئے انہوں نے ان سے کہا:

میں آپ کے پاس تنہائی میں آؤں گا اور جو خبریں میرے پاس ہیں وہ آپ کو بتلا دوں گا۔ پھر جب حجاج اپنا تمام مال جمع کر چکے اور سفر کی تیاری مکمل کر لی تو حضرت عباس کے پاس آئے اور ان سے کہا:

اے ابوالفضل میری خبر تین دن تک اپنے تک ہی محدود رکھئے گا پھر اس کے بعد جو چاہیں کریں۔ حضرت عباس نے یہ وعدہ کر لیا تو حجاج نے ان سے کہا: بخدا بات دراصل یہ ہے کہ میں آپ کے بھتیجے کو صحیح سلامت ایسے وقت میں چھوڑ کر آیا ہوں جب ان کی شادی خیبر کے سردار کی بیٹی صفیہ بنت حیی سے ہو رہی تھی اور وہ خیبر فتح کر چکے تھے اور جو کچھ وہاں تھا وہ سب اپنے

tobaa-elibrary

قبضے میں کر چکے تھے اور وہ تمام چیزیں ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ہو گئی تھیں۔

حضرت عباس یہ سن کر دہشت زدہ ہو کر کہنے لگے: اے حجاج تم کیا کہہ رہے ہو! حجاج نے کہا: بخدا میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں اور میں نے اس کا انکار اس لئے کیا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کو مخفی صرف اس لئے رکھا تھا تاکہ مکہ سے اپنے اموال نکال کر لے جا سکوں۔

حضرت حجاج مکہ چھوڑ کر رخصت ہو گئے اور جب تین دن گذر گئے تو قریش نے دیکھا کہ حضرت عباس نے نہایت شاندار پوشاک پہنی ہوئی ہے اور خوشبو لگائی ہوئی ہے اور ہاتھ میں عصا لئے ہوئے کعبہ کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔

قریش حضرت عباس کی اس حالت کو دیکھ کر وحشت میں پڑ گئے لیکن پھر بھی وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہنے لگے: اے ابوالفضل بخدا یہ مصیبت کی سختی کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا ہے تو حضرت عباس نے نہایت اطمینان سے ان کو جواب دیا کہ یہ بات ہرگز نہیں ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہے بات یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیبر فتح کر چکے ہیں اور اس کے تمام اموال اکٹھا کر چکے ہیں اور وہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ملکیت بن گئے ہیں اور انہوں نے ان کے سردار حیی بن اخطب

کی بیٹی سے شادی کر لی ہے۔

ان کی یہ بات سن کر یہ لوگ شک میں پڑ گئے اور ان سے پوچھنے لگے: آپ کو یہ اطلاع کس نے دی ہے؟

انہوں نے فرمایا: اسی نے جس نے تمہیں وہ خبر دی تھی جو تم مشہور کر رہے ہو، وہ شخص مسلمان ہو کر تمہارے پاس آیا تھا اور اپنا مال و دولت لے گیا اور اب وہ یہاں سے رخصت ہو گیا ہے تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مل جائے۔

یہ بات سن کر وہ مبہوت ہو گئے اور نہایت صدمہ کی حالت میں انہوں نے کہا: خدا کا دشمن جان بچا کر بھاگ گیا، بخدا اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی تو ہمارا اس کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا۔

اور پھر اس کے کچھ وقت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و غلبہ کی خبریں قریش کے پاس مسلسل یکے بعد دیگرے آنے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور پھر وہاں آپ کے پاس آپ کے وہ قاصد یکے بعد دیگرے آنے لگے جنہیں خطوط دے کر آپ نے بادشاہوں اور حکومتوں کے سربراہوں کے پاس اسلام کو قبول کرنے کی دعوت کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو اچھا جواب لائے تھے اور بعض ایسے تھے جو ناپسندیدہ جواب لائے تھے بعض ایسے تھے

جن کا جواب متوسط تھا، نہ اچھا تھا، نہ بُرا۔

چنانچہ روم کے قیصر ہرقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ و اچھا جواب بھیجا تھا اس کے باوجود کہ وہ اسلام میں داخل نہ ہوا تھا لیکن اس نے پھر بھی شائستہ جواب ارسال کیا اور جب حیرہ کے بادشاہ حارث غسانی نے اس کو یہ لکھا کہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کی اس لئے اجازت دے دی جائے کہ انہوں نے اس کے پاس ایسا خط کیوں لکھا تو ہرقل نے اس معاملہ کو دبا دیا۔

فارس کے کسریٰ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب ملا تو وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے آپ کا نامہ مبارک پارہ پارہ کر دیا اور یمن میں اپنے گورنر کو یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ وہ اس کے پاس حجاز کے اس شخص کو پکڑ کر لے کر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قاصد کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ کسریٰ نے آپ کے گرامی نامہ کو چاک کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ اس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ پرویز زیادہ عرصہ تک حکومت نہ کر سکا اور اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شیرویہ بادشاہ بن گیا۔ یمن پر فارس کی طرف سے مقرر کردہ گورنر نے اپنی صحیح رائے سے اندازہ کر لیا کہ فارس کی حکومت ختم ہونے والی ہے تو وہ

tooba-elibra

اسلام لے آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کا گورنر بن گیا۔

اسی طرح یمن اور عمان کے امیر دو حاکموں نے بھی اچھا جواب نہ دیا۔ یمامہ کے حاکم نے لکھا کہ وہ اسلام قبول کرنے پر تیار ہے بشرطیکہ اسے حاکم مقرر کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ کیا اور اس کے اسلام کو قبول نہ فرمایا۔

لیکن امیر بحرین خود بھی مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ حکومت کے دیگر افراد نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ مصر کے حاکم مقوقس نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا لیکن جواب اچھا دیا اور ساتھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ہدیہ بھیجا جو دو باندیوں ماریہ اور شیریں اور ایک خچر، ایک گدھے اور کچھ مال اور مصر کی عمدہ چیزوں پر مشتمل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرما لیا اور دونوں باندیوں میں سے ایک باندی شیریں کو حضرت حسان بن ثابت کو ہدیہ کے طور پر دے دیا اور دوسری باندی ماریہ کو اپنے لئے رکھ لیا۔

حبشہ کے نجاشی نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی باندیوں میں سے ایک باندی کو حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان کے پاس بھیجا اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجائیں۔ حضرت ام حبیبہ اس شرف کو سن کر بہت خوش ہوئیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ اعزاز

بخش رہے ہیں اور نجاشی نے ان کے پاس اس سلسلہ میں جو پیغام بھیجا تھا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔ چنانچہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ان سے کر دی اور آپ کی طرف سے ام حبیبہ کو مہر کے طور پر چار سو دینار دیئے۔

نجاشی نے اپنی کشتیوں میں سے دو کشتیوں میں مسلمانوں کو سوار کر کے حبشہ سے حجاز بھیج دیا ان مسلمانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب اور ام حبیبہ بھی تھیں جو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اور تمام مسلمانوں کی ماں بن چکی تھیں۔

اہل مدینہ نے حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں کا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر سے مل کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے انہیں سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

مجھے معلوم نہیں کہ میں دو چیزوں میں سے کس کی وجہ سے زیادہ خوش ہوں فتح خیبر کی وجہ سے یا جعفر کے واپس لوٹ کر آنے کی وجہ سے۔

* * *

۲۰

عمرۃ القضاء

«لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ» الفتح - ۲۷

اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کو تحقیقی خواب کہ تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے اپنے سروں کے بال مونڈتے ہوئے اور کترتے ہوئے بے خوف و خطر ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خواب دکھایا تھا اس کو پورا کرنے کا ارادہ فرما لیا اور وہ وقت مقررہ قریب آ پہنچا جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے تاکہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ پورا ہو جائے ۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھا اسے چاہیئے کہ وہ عمرۃ القضاء کے لئے نکلے اور پیچھے ہرگز نہ رہے ۔

حدیبیہ والوں نے اس اعلان پر فوراً لبیک کہا اس لیے کہ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی وہ آرزو پوری ہوگئی جس کے پورا کرنے کا وہ پورے ایک سال سے انتظار کر رہے تھے اور وہ سب کے سب اس بیت اللہ کی زیارت کے مشتاق تھے جس کی زیارت سے مسلمانوں کو روک دیا گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیبیہ کے موقع پر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عمرہ کی تیاری کر لی اور نکل پڑے اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے مسلمان شریک تھے چنانچہ سب ملا کر دو ہزار افراد ہوگئے جبکہ گذشتہ سال یہ حضرات ایک ہزار چار سو تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو شہسواروں کو ہتھیاروں سے مسلح کر دیا جن کے قائد حضرت محمد بن مسلمہ تھے ان حضرات کو اپنے آگے آگے رکھا تاکہ اچانک حملہ اور دشمن کے غدر سے محفوظ رہ سکیں اور ان مسلح افراد کو یہ حکم دیا کہ جب یہ مقام مر الظہران پہنچ جائیں تو حرم میں داخل نہ ہوں بلکہ مر الظہران کے قریب کسی وادی میں ٹھہر جائیں۔

ان مسلح شہسواروں کے علاوہ باقی تمام مسلمان غیر مسلح سفر کرنے لگے اور ان کے پاس صرف وہ ہتھیار تھا جو مسافر کے پاس ہوتا ہے یعنی نیام میں رکھی ہوئی تلوار اور ان حضرات کے آگے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصویٰ نامی اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور ان سب کے آگے ناجیہ بن جندب قربانی اور

فدیہ کی ساٹھ اونٹنیاں لے کر چل رہے تھے۔

حضرت محمد بن مسلمہ شہسواروں کی جماعت کو لے کر مرالظہران پہنچ گئے وہاں ان کی ملاقات قریش کی ایک جماعت سے ہوئی ان لوگوں نے ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ان سے کہا۔ کل صبح انشاء اللہ اس جگہ پہنچ جائیں۔ قریش کے افراد ان مسلح حضرات کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے اور جلدی سے جا کر اپنی قوم کو صورت حال سے باخبر کیا اور ان کو بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جلد ہی ان تک پہنچنے والے ہیں، وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ان سے جنگ کی نیت سے آ رہے ہیں۔

قریش یہ اطلاع پا کر بہت گھبرائے اور اپنا ایک وفد جس کا سربراہ مکرز بن حفص تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ دریافت کرنے بھیجا کہ آپ اس صلح و معاہدہ کو کس وجہ سے توڑ رہے ہیں جو پہلے طے ہو چکا تھا۔ قریش کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور مکرز نے آپ سے پوچھا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے نہ بچپن میں غداری کی اور نہ بڑے ہونے کے بعد، کیا آپ حرم میں مسلح ہو کر داخل ہوں گے حالانکہ یہ طے ہو گیا تھا کہ آپ صرف وہ ہتھیار ساتھ لے کر آئیں گے جو مسافر ساتھ رکھتا ہے اور وہ نیام میں رکھی ہوئی تلواریں ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرز کو جواب دیا: میں حرم میں ہرگز بھی ہتھیار لے کر نہ آؤں گا تو مکرز نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہم نے آپ کو نیکی اور وعدہ پورا کرنے والا ہی پایا ہے۔ یہ سن کر مکرز اور اس کے ساتھی چلے گئے تاکہ قریش کو جتلا دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ پر قائم ہیں اور انہوں نے وعدہ نہیں توڑا ہے اور وہ عمرہ و زیارت کی نیت سے ہی آ رہے ہیں اور ہتھیار مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ قریش کے چھوٹے اور بڑے سب کے سب جلدی جلدی مکہ سے نکلنے لگے اور بعض بعض سے یہ کہنے لگے: جلدی سے نکل چلو تاکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے ساتھیوں کو داخل ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

چنانچہ قریش سب کے سب مکہ مکرمہ سے نکل گئے اور ٹیلوں اور اونچی جگہوں پر چڑھ گئے جہاں انہوں نے اپنے لئے خیمے لگا رکھے تاکہ مکہ کو مسلمانوں کے لئے خالی کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے باہر ایک وادی میں سو شہسواروں کے ساتھ اپنے دو سو آدمی اور چھوڑ دیئے اور ذی طوی نامی مقام پر ان ہدی کے جانوروں کو روکنے کا حکم دے دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا اور آپ کے صحابہ آپ کے اردگرد تھے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قصوی اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی اور اس کو لے کر چل رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹنی پر

tooba-elibrary

سوار تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے وہ مکہ جہاں سے آپ رات کو چپکے سے چھپتے چھپاتے نکلے تھے۔ وہ مکہ جہاں سے آپ قریش سے بھاگ کر نکلے تھے اور اس وقت آپ کے ساتھ صرف آپ کے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک خادم تھا، اس مکہ مکرمہ میں اب آپ اس شان سے داخل ہو رہے تھے کہ اس کو قریش نے آپ کے لئے خالی کر دیا تھا اور اس وقت آپ کے ساتھ دو ہزار مسلمان تھے۔

اے رب آپ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کس بڑائی اور جلال کے ذریعہ اعزاز و اکرام کیا ہے۔

مکہ کے اردگرد کے پہاڑوں اور بلند و بالا چٹانوں سے لوٹ لوٹ کر بار بار یہ آوازیں آ رہی تھیں:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا	اے اللہ میں حاضر ہوں حاضر ہوں حاضر
شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ	ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	ہوں تمام تعریفیں اور نعمتیں آپ ہی کی ہیں
لَاشَرِيْكَ لَكَ ۔	اور حکومت و مملکت بھی آپ کا کوئی شریک نہیں

یہ وہ تلبیہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا اور پھر آپ کے پیچھے دو ہزار مسلمانوں نے اسے دہرانا شروع کر دیا

ٹیلوں اور پہاڑوں پر سے قریش جھانک جھانک کر دیکھنے لگے اور نہایت حیرت اور تعجب سے اس عظیم الشان قدوسی جلال کو دیکھتے رہ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ کعبہ کے پاس پہنچ گئے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی چادر کو بغل کے نیچے سے نکال کر کاندھے پر ڈال لیا یعنی دایاں بازو اور کاندھا احرام کی چادر سے باہر نکال لیا اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج ان قریش کے سامنے بہادری اور طاقت کا مظاہرہ کرے۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ مسلمانوں کی بڑائی اور عظمت اور مشرکوں کے خلاف بھڑکانے وابھارنے والے اشعار پڑھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے یہ کہہ کر منع فرمادیا:

اے ابن رواحہ رک جاؤ یہ کہو:

لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ
صَدَقَ وَعْـدَهٗ وَنَصَرَ
عَبْدَهٗ وَأَعَزَّ جُنْـدَهٗ
وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ

نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اکیلے اللہ کے، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت بخشی اور تمام جماعتوں اور لشکروں کو خود اکیلے تن تنہا شکست دے دی۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ نے یہ پڑھنا شروع کر دیا اور مسلمانوں نے

بھی اسے دہرانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کا استلام کیا اور پھر کعبہ کے ارد گرد طواف شروع کر دیا۔ کبھی چلنے لگتے اور کبھی دوڑنے لگتے اور جب بھی کعبہ کے ارکان (کناروں) میں سے کسی رکن (کنارے) پر پہنچتے تو اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے یہاں تک کہ اس طرح سے آپ نے تین طواف پورے کر لئے۔ پھر وہاں سے صفا آئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی سات چکر لگائے۔ پھر مروہ کے قریب ایک جگہ پر کھڑے ہو گئے جہاں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہدی کے جانور لے آئے تھے چنانچہ آپ نے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور آپ یہ فرما رہے تھے: یہ ذبح کرنے کی جگہ ہے اور مکہ کی تمام گھاٹیاں ذبح کرنے کی جگہ ہیں:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک منڈایا اور تمام مسلمانوں نے بھی اپنا سر منڈا لیا اور اس طرح سے سب کے عمرہ کے مناسک و ارکان پورے ہو گئے۔

اور اس طرح سے مسلمانوں نے اپنے اس کعبہ کی زیارت کی جس کے وہ شدید مشتاق تھے اور جس کے طواف کے لئے وہ ایک طویل عرصہ سے خواہشمند تھے۔ مہاجرین نے اس بیت اللہ کے حرم میں بیٹھ کر سکون حاصل کیا جس سے وہ ایک زمانہ سے محروم تھے اور مکہ کے راستوں اور گھاٹیوں میں پھرنے لگے جہاں ان کے وہ مکانات تھے جنہیں یہ اللہ کی راہ میں اپنے

tooba-e-library

پیچھے چھوڑ آئے تھے اور یہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ اِدھر اُدھر گھوم کر ان کو اپنے قصّہ گوئی کے جگہیں اور اپنی یادگاریں دکھانے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں نہ ٹھہرے بلکہ آپ نے خیمہ لگانے کا حکم دیا اور آپ کے ٹھہرنے کے لئے ابطح مقام پر خیمہ لگا دیا گیا جہاں آپ نے قیام فرمایا اور اس طرح سے ان تین دنوں میں سے پہلا دن گذر گیا جن تین دن ٹھہرنے کی قریش نے مسلمانوں کو اجازت دی تھی۔ جب دوسرا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف لائے اور وہاں تشریف فرما ہو گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ظہر کی اذان دینے کے لئے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گئے اور ان کی ایک میٹھی میٹھی آواز مکہ اور ان کے اردگرد کی فضاء کو ان کلمات سے چیرنے لگی: اللہ اکبر اللہ اکبر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے قریب دو ہزار مسلمانوں کی امامت کی۔ وہ بیت اللہ جہاں آپ سات سال قبل اکیلے تنہا نماز پڑھنے میں مشقت کو برداشت کیا کرتے اور صعوبتیں جھیلتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے پاس جو مکہ کے باہر مقیم تھے اپنے ان ساتھیوں کو بھیج دیا جو ان کی جگہ وہاں ٹھہر جائیں تاکہ وہ لوگ بھی بیت اللہ کی زیارت

cyblogspot.com

tooba-elibrary

کریں اور جس طرح ان کے بھائی زیارت بیت اللہ سے مستفیض ہوئے ہیں یہ بھی اپنا حصہ حاصل کریں۔

قریش نے پہاڑوں اور ٹیلوں کے اوپر اپنے پڑاؤ سے مسلمانوں کو یہ سب کچھ کرتے دیکھا، انہوں نے شوکت کا مشاہدہ کیا اور جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس لذت کو محسوس کیا جو ان لوگوں کے دلوں کو بھر چکا تھا اور اس ایمان کو جو ان کے دلوں میں جاگزین تھا۔

قریش پر کپکپی طاری ہو گئی اور ان میں سے اکثر کے دلوں پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور انہوں نے جب مسلمانوں کی اس بہادری اور بیت اللہ کا طواف کرتے وقت قوت کے مظاہرے اور چلنے اور دوڑنے میں ان کی چابکدستی کو دیکھا تو نہایت تعجب سے کہنے لگے: ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان نہایت تنگی سختی اور پریشانی میں گرفتار ہیں؟!!

قریش نے جب حضرت بلال کو کعبہ پر چڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کے اوپر چڑھ کر اذان دینے کی آواز سنی تو ان میں سے اکثریت کے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھ ایک جماعت نے اپنے سر پھیر لئے اور اپنے چہرے چھپا لئے اور کانوں کو بند کر لیا تاکہ نہ بلال کو دیکھیں اور نہ ان کی آواز سن سکیں۔ عکرمۃ بن ابی جہل نے جب یہ دیکھا تو کہا: اللہ تعالٰی نے ابوالحکم کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ اس غلام

کو یہ کہتے ہوئے نہ سن سکیں۔ اسی طرح کے الفاظ صفوان بن امیہ وغیرہ نے بھی اپنے ان والدین کے بارے میں کہے جو دین اسلام کے دشمن تھے اور اپنے ٹھکانے کو پہنچ چکے تھے۔

مسلمانوں نے مشرکوں کے دلوں پر جو اثرات چھوڑے تھے وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اس لئے کہ ان میں سے اکثریت کے دل ایمان قبول کرنے کے لئے منشرح ہو چکے تھے اور ان کے دلوں میں اسلام کی طرف میلان پیدا ہو گیا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کی سالی یعنی ان کی بیوی ام ابوالفضل کی بہن میمونہ سے نکاح کر لیں اس لئے کہ میمونہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہے اور انہوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ میمونہ کو مشرکوں کے جال سے نکال کر لے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ سے نکاح کرنا منظور کر لیا۔

مسلمانوں نے جب مکہ میں تین دن گزار لئے تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزی کو بھیجا تا کہ وہ آپ سے مطالبہ کریں کہ آپ معاہدہ کے مطابق مکہ سے چلے جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے کہا، تم کو کیا ہو جائے گا اگر تم مجھے اتنے وقت

کے لئے چھوڑ دو کہ میں تمہارے درمیان شادی کر لوں اور ہم تمہارے لئے کھانا بنالیں اور تم لوگ بھی اس کھانے میں شریک ہو جاؤ۔

لیکن سہیل اور حویطب جانتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر اس جیسا کھانا کھا کر قریش پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلق کا قریش پر کیا اثر پڑا تھا اس لئے حویطب صبر نہ کر سکا اور اس نے چیخ کر کہا: ہمیں آپ کا کھانا کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم آپ کو خدا اور اس وعدہ کی قسم دیتے ہیں جو آپ کے اور ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ آپ ہماری سرزمین سے چلے جائیں، اس لئے کہ جن تین دن ٹھہرنے کا وعدہ ہوا تھا وہ گذر چکے تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے وہ غصہ ہو گئے اور انہوں نے حویطب کو جھڑک دیا اور فرمایا: تو نے جھوٹ کہا اس لئے کہ یہ سرزمین نہ تیری ہے نہ تیرے باپ کی ہے، بخدا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اپنی مرضی اور خوشی سے جائیں گے ویسے نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دئے اور سعد بن عبادہ سے فرمایا: اے سعد تم ایسی قوم کو تکلیف نہ پہنچاؤ جو ہم سے ملنے ہمارے پاس آئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافع کو حکم دیا کہ مسلمانوں میں یہ اعلان کر دیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی مکہ میں رات

نہ گذارے۔

جب مسلمان مکہ چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے تو حضرت علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ہمارے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ یہیں مقیم ہے، ہم اس کو مشرکین کے درمیان کیوں چھوڑ دیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مکہ سے نکلتے وقت اپنے ساتھ عمارۃ بنت حمزہ اور ان کی والدہ سلمٰی بنت عمیس کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

حضرت میمونہ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کو مکہ میں چھوڑ دیا جو ان کو رات کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور سرف مقام پر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔

مسلمانوں نے مدینہ منورہ کا رُخ کر کے سفر شروع کر دیا اور وہ بہت خوش خوش تھے، ان کے دل خوشی و سرور سے پُر تھے اس لئے کہ انہوں نے وہ خواہش پوری کر لی تھی جس کے ایک طویل زمانہ سے مشتاق تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ اس عمرہ کے بعد ان کو ایک عظیم فتح نصیب ہو گی۔

مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے اس عمرہ کے جو آثار چھوڑے تھے اس کا اثر مسلمانوں کی توقع اور امید سے بہت پہلے ظاہر ہو گیا، اس لئے کہ مکے کے باشندوں کی اکثریت کا دل اسلام کی طرف راغب ہو چکا تھا۔ کیونکہ

اسلام کی عظمت کا انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کر لیا تھا اور اس کی حقانیت اور سچائی کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اظہار اور اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لانے کا اقرار کر لیا۔

ان لوگوں میں سر فہرست وہ جماعت تھی جو قریش میں نہایت بہادر اور جری و جنگجو مشہور تھی، جن میں جنگِ احد کے بہادر اور قریش کے عظیم شہسوار حضرت خالد بن ولید اور عرب کے نہایت زبردست بہادر عمرو بن العاص اور کعبے کے محافظ عثمان بن طلحہ تھے۔ یہ تینوں راستہ میں ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔ اور یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے تھے اگرچہ یہ مختلف راستوں اور جہات سے آئے تھے۔

حضرت خالد بن ولید بہت زبردست مقابلے اور سخت عناد رکھنے کے بعد ایمان لائے تھے اور انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اور اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور نہ آپ جادوگر ہیں اور نہ شاعر جیسا کہ پہلے وہ خود بھی کہا کرتے تھے اور قریش اب کہتے ہیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اسلام ہی وہ دین برحق ہے یہ سب کچھ انہوں نے اس کے بعد کیا جب کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بر خلاف اور آپ کو ختم کرنے کے لئے قریش کے شہسواروں کی ایک زمانہ تک قیادت کرتے رہے تھے۔

حضرت خالد اتنے جری اور بہادر تھے کہ انہوں نے قریش کے سامنے کھلم کھلا اپنے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اس طرح اظہار کیا: ہر ذی عقل کے سامنے کھل کر یہ بات آ گئی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو جادوگر ہیں نہ شاعر ہیں اور یہ کہ آپ کا کلام اللہ رب العالمین کا کلام ہے اس لئے اب ہر ذی عقل کے لئے یہ بات ضروری ہو گئی ہے کہ وہ ان کی پیروی کرے۔

قریش نے حضرت خالد کو بہت بُرے القاب سے نوازا اور ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ صابی ہو گئے ہیں اور اپنے دین سے پھر گئے ہیں۔ ابوسفیان نے ان پر حملہ کرنا چاہا تو عکرمہ بن ابی جہل نے اس کو یہ کہہ کر روک دیا:

اے ابوسفیان ذرا ٹھہر جاؤ، کیا تم خالد کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ انہوں نے ایک رائے کو اپنا لیا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ قریش سب کے سب ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ بخدا مجھے تو ڈر یہ ہے کہ ابھی ایک سال نہ گذرا ہوگا کہ تمام اہل مکہ ان کی پیروی کرنے لگیں گے

جب حضرت خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ چاہا کہ ان کے ساتھ قریش کے جوانمردوں میں سے ایک اور آدمی بھی ساتھ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں صفوان بن امیہ سے یہ کہہ کر بات کی۔

اے ابو وہب! کیا تم دیکھتے نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم پر

cyblogspot.com

غالب آ گئے ہیں اس لئے اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی پیروی شروع کر دیں تو ان کی عزت ہی ہماری ہو گی لیکن صفوان جس کے باپ اور بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے تھے اس نے کہا: اگر میں صرف اکیلا ہی غیر مسلم باقی رہ جاؤں تب بھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔

حضرت خالد نے عکرمہ سے بھی وہی بات کی جو صفوان سے کی تھی تو اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا جواب اس سے پہلے صفوان نے دیا تھا۔

حضرت خالد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے لیکن انہوں نے قریش کے کسی فرد کو اپنی منزلِ مقصود نہیں بتلائی۔ ابھی انہوں نے سفر شروع ہی کیا تھا کہ ان کی ملاقات اپنے ایک دوست عثمان بن طلحہ سے ہوئی جو کعبہ کی چابیوں کے رکھوالے تھے۔ خالد شش و پنج میں پڑ گئے کہ کیا عثمان کو اپنی منزلِ مقصود بتلا دیں اور ان سے اپنے ساتھ چلنے کا مطالبہ کریں جبکہ عثمان کا خون بہا مسلمانوں کے ذمہ تھا اس لئے کہ ان کے باپ چچا اور چار بھائی جنگ احد میں قتل کر دیئے گئے تھے؟ لیکن خالد زیادہ دیر متردد نہ رہے اور انہوں نے عثمان سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

حضرت خالد نے محسوس کر لیا کہ عثمان اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ جا کر بیعت کرنے کی رغبت ان میں موجود ہے۔ حضرت خالد اور عثمان میں یہ طے ہو گیا کہ عثمان مکہ میں اپنے چند معاملات طے کرنے کے بعد

مکہ کے باہر فلاں جگہ پر ملیں گے اور پھر وعدہ کے مطابق وقت مقررہ پر دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور مدینہ منورہ کا رُخ کر کے چل پڑے۔

غزوۂ احزاب میں عمرو بن العاص قریش کے ساتھ تھے اور جب اس غزوہ میں مسلمان فتحیاب ہو گئے تو عمرو نے قریش کے بعض حضرات سے کہا: میرے ساتھیو، میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مسئلہ بہت آگے بڑھ جائے گا۔ میری ایک رائے ہے بتلاؤ تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

انہوں نے پوچھا: اے ابن العاص آپ کی رائے کیا ہے؟

انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم حبشہ کے نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہیں مقیم ہو جائیں پھر اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم نجاشی کے پاس نجاشی کے ماتحت ہوں گے جو اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماتحت ہوں اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو ہم وہ ہیں جنہیں لوگ جانتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ خیر و بھلائی اور اچھا سلوک ہی کریں گے۔

عمرو کے ساتھیوں نے کہا: بے شک یہ بہت اچھی رائے ہے۔ لہٰذا عمرو اور ان کے ساتھیوں نے حبشہ جانے کی تیاری شروع کر دی اور نجاشی کو ہدیہ دینے کے لئے بہت سی کھالیں جمع کر لیں۔ اس لئے کہ نجاشی کو سب سے زیادہ کھالوں کا ہدیہ محبوب تھا۔ نجاشی نے عمرو اور ان کے ساتھیوں کو خوش آمدید

کہا اور ان کے ہدیہ کو قبول کیا اور یہ لوگ وہاں نہایت خوش بخوش مقیم رہے۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن امیہ کو دو خط دے کر بھیجا جن میں سے ایک میں آپ نے نجاشی سے اسلام میں داخل ہونے کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے میں یہ مطالبہ تھا کہ جو مسلمان حبشہ میں مقیم ہیں انہیں آپ کے پاس بھیج دیا جائے اور یہ کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے آپ کے نکاح کے سلسلہ میں وہ آپ کی طرف سے وکیل بن جائیں۔ ام حبیبہ حبشہ ہجرت کرنے والوں میں سے تھیں۔ عمرو بن امیہ جب وہاں پہنچے تو عمرو بن العاص کی نظر عمرو بن امیہ پر پڑ گئی اور وہ سمجھ گئے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد بن کر آئے ہیں۔

چنانچہ عمرو بن العاص نجاشی کے پاس گئے اور ان سے کہا: بادشاہ سلامت! میں نے آپ کے پاس سے ایک شخص کو نکلتے ہوئے دیکھا ہے جو ہمارے ایک دشمن کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہے اس لئے وہ آدمی آپ ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں اس لئے کہ اس نے ہمارے معوز اور اشراف کو مارا ہے۔

نجاشی نے عمرو کی طرف نہایت غصہ اور ہیبت ناک نظروں سے دیکھا (اور وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی مراد عمرو بن امیہ ہے) اور پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر عمرو کی ناک پر اس زور سے مارا کہ عمرو کو یہ گمان ہوا کہ ان کی ناک کی

ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور ان کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی اور انہوں نے نجاشی کے غصّہ کو دیکھ لیا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں نجاشی سے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ: اے بادشاہ سلامت! بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات بُری لگے گی تو میں آپ سے ایسی بات ہرگز نہ کہتا۔

بادشاہ نے نہایت سختی اور غصّہ میں کہا: کیا تم مجھ سے یہ سوال کرتے ہو کہ میں قتل کے واسطے ایسے شخص کے قاصد کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ فرشتہ آتا ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔

نجاشی کی اس قوتِ روح سے متاثر ہو کر جس سے نجاشی بات کر رہے تھے اور ان کی اس حمیّت و بہادری کے سامنے عمرو کی روح لرز گئی تھی۔ عمرو نے نجاشی سے کہا: بادشاہ سلامت کیا بات بالکل اسی طرح ہے؟

نجاشی نے جواب دیا: اے عمرو تجھے کیا ہو گیا ہے تو میری بات مان اور ان کی پیروی کر لے اس لیئے کہ بخدا وہ حق پر ہیں اور عنقریب وہ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں گے۔

عمرو نے یہ محسوس کیا کہ ایمان ان کے دل میں سرایت کر رہا ہے اور اسلام کا نور ان کے قلب کو بھر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت اعتماد اور اطمینان سے نجاشی سے کہا: کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے

مجھ سے اسلام کی بیعت کرتے ہو؟ نجاشی نے فوراً جواب دیا: جی ہاں، اور فوراً اپنا ہاتھ عمرو کے لئے پھیلا دیا اور عمرو نے ان کے واسطے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی، اور عمرو نجاشی کے پاس سے اس حالت میں نکلے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اپنے مسلمان ہونے کی خبر کو چھپایا تھا اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کسی کشتی کے ذریعہ سے حبشہ سے جزیرۂ عرب چلے جائیں۔

حضرت عمرو کے لئے وہ وقت بھی آگیا اور ایک کشتی کے ذریعہ وہ جزیرۂ عرب چلے گئے اور وہاں ایک اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کا رُخ کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر لیں۔

ابھی وہ راستہ میں ہی تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو سفر کی تکان دور کرنے کے لئے خیمہ لگاتے ہوئے دیکھا، جب یہ ان کے پاس گئے تو کیا دیکھا کہ وہ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ ہیں۔ چنانچہ عمرو نے حضرت خالد سے پوچھا۔

اے ابو سلیمان! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت خالد نے عمرو کو جواب دیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لئے کہ بخدا راستہ صاف اور واضح ہو چکا ہے اور بات ظاہر ہو گئی ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کے

نبی ہیں اس لئے تم بھی جا کر مسلمان ہو جاؤ، ورنہ اب کب تک اور انتظار کرتے رہو گے؟ حضرت عمرو نے جواب دیا: میں اسلام لانے کے لئے ہی تو آیا ہوں۔

اور اس طرح سے یہ تینوں ایک مقصد اور ایک غرض کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو ان کو ایک مسلمان نے دیکھ لیا اور ان کے آنے کے مقصد کو سمجھ لیا اور خوشی سے کہا: بخدا ان دونوں کے بعد مکہ کے تمام آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ دونوں آدمیوں سے ان کی مراد حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن الولید تھے۔

وہ شخص جلدی سے مسجد نبوی کی طرف دوڑا تاکہ ان آنے والوں کی اطلاع دے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: مکہ نے تمہارے پاس اپنے جگر گوشے بھیج دیے ہیں اور ان آنے والوں کی آمد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جب یہ حضرات اپنے لباس کو تبدیل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

حضرت خالد نے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں والا سلام کیا اور کلمہ شہادت پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہیں ہدایت دی۔

cyblogspot.com

tobaa-elibrary

میں تمہیں عقلمند سمجھتا تھا اور مجھے یہ یقین تھا کہ تمہاری عقل تمہیں خیر کی طرف ہی لے جائے گی۔

حضرت خالد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے کہ میری ان جنگوں کو معاف کر دے جن میں میں نے آپ کے خلاف شرکت کی تھی۔ حضرت عثمان آگے بڑھے اور انہوں نے بیعت کی۔ پھر حضرت عمرو آگے بڑھے اور انہوں نے بھی بیعت کی اور وہ یہ فرما رہے تھے: اے اللہ کے رسول میں آپ سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰے میرے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو اسلام پچھلے تمام گناہ ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور دین اسلام کو روئے زمین پر پھیلانے میں مصروف ہو گئے اور آپ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب مکہ فتح ہونے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اور قاصد حکومتوں کے امراء اور سربراہوں کے پاس اسلام کی دعوت دینے اور ان کو مسلمان ہونے پر آمادہ کرنے کے لئے بھیجے ان قاصدوں میں اہل ترین سفارت بردار حضرت عمرو بن العاص تھے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی بعض جماعتیں جزیرۂ عرب کی مختلف جہات میں روانہ کیں جن میں سے بعض جماعتیں وہ بھی تھیں جو ان قبائل سے جنگ کرتی تھیں جو مسلمانوں کی دشمن تھیں اور مسلمانوں کے خلاف دوسروں کو اکساتی اور ان کو جمع کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں ۔

مسلمانوں کی ان جماعتوں میں سے بعض جماعتیں وہ تھیں جو عرب قبائل اور جزیرۂ عرب میں منتشر بدو قبائل کی اللہ کے دین برحق کی طرف رہنمائی کرتی رہتی تھیں اور اس کی اچھائیاں اور بھلائیاں ان پر واضح کرتیں اور ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس اور اس کے فرائض و واجبات سے باخبر کرتی رہتی تھیں ۔

دن گذرتے گئے اور پھر ان سب چیزوں کے نتائج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خوشی و سرور کا پیغام اور مسلمانوں کے لئے نفع و فائدہ تھا جیسے کہ مسلمانوں کی بنو لیث کی جماعت پر فتح یابی اور ان کے جانوروں اور بکریوں پر قبضہ اور باندیوں اور قیدیوں کی ایک جماعت جن کے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے تو آپ نے ان قیدی عورتوں کو ان کو واپس لوٹا دیا سوائے ایک قیدی عورت کے جو نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل تھی جس نے

یہ پسند کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی اس جماعت سے قائد شجاع بن وہب کے حصّہ میں جائے گی جس نے انہیں گرفتار کیا تھا لہٰذا اس کو قیمتہً لے لیا گیا۔

ان نتائج میں سے بعض ایسے بھی تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی اور آپ کی طبیعت پر اس کا نہایت شدید اثر ہوا جیسے کہ آپ کے صحابہ کی اس جماعت کا شہید ہونا جو شام کی حدود میں ذات الطلح مقام پر اسلام کی دعوت دینے گئی تھی لیکن وہاں والوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا سوائے ان کے سربراہ کے کہ وہ بڑی مشکل سے ان سے اپنی جان بچا سکے اور جیسے کہ آپ کے قاصد حارث بن عمیر کا قتل جنہیں آپ نے قیصر کی طرف سے بصریٰ پر مقرر کردہ حاکم کے پاس بھیجا تھا۔ ان کو شرجیل بن عمرو غسانی نے ہرقل کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد ہے۔

یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ ان لوگوں سے جہاد کرنا چاہیئے جنہوں نے آپ کے صحابہ کو بلا کسی جرم و گناہ کے قتل کر ڈالا ہے اور اس گندی حرکت کی وجہ سے جو کہ مروت اور شرافت کے خلاف ہے ان سے جنگ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کے لئے مسلمانوں میں سے تین ہزار جنگجو تیار کئے اور ان پر حضرت زید بن حارثہ کو امیر بنا دیا اور فرمایا:

اگر زید شہید ہو جائیں تو امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں گے اور اگر عبد اللہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی مرضی سے اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امیر بنا لیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک نعمان بن فنخص نامی یہودی نے بھی سن لیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

اے ابو القاسم اگر آپ واقعی نبی ہیں تو جن کے آپ نے نام لئے ہیں وہ واقعی شہید ہو جائیں گے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء جب یہ کہا کرتے تھے کہ: اگر فلاں شہید ہو جائے تو وہ واقعی شہید ہو جاتا تھا چاہے وہ لوگ جن کا نام نبی نے لیا ہے وہ سو کی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔

یہ مجاہدین مدینہ منورہ سے رخصت ہو گئے اور ان کو رخصت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود ان کے ساتھ ثنیۃ الوداع تک گئے اور سفید جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کو دیا اور مسلمانوں کو یہ وصیت کی۔

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے اس سے جنگ کرو، غدر نہ کرنا، نہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا اور راہبر اور عورت اور بڈھے کھوسٹ

کو قتل نہ کرنا اور کھجور کے درخت ضائع نہ کرنا، نہ کسی درخت کو جڑ سے اکھاڑنا نہ کسی گھر کو ڈھانا۔

جب تمہاری ملاقات تمہارے دشمن مشرکوں سے ہو تو ان کو تین باتوں میں سے ایک بات کی طرف بلانا۔ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا اگر وہ ایسا کر لیں تو ان سے اسلام کو قبول کر لینا اور ان سے اپنے ہاتھ کھینچ لینا، پھر ان کو اپنے گھروں سے دار الہجرت کی جانب منتقل ہونے کی دعوت دینا پھر اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کو وہ ملے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے اور ان پر وہ ذمہ داری آئے گی جو مہاجرین پر آتی ہے اور اگر وہ اسلام میں داخل تو ہو جائیں لیکن اپنے ملک و گھروں میں ہی رہنا چاہیں تو وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے، اللہ کا حکم ان پر نافذ ہو گا لیکن ان کو مال فئ (جو بلا جنگ کئے حاصل ہوتا ہے) اور مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان کو جزیہ دینے کی دو اگر وہ جزیہ دے دیں تو ان سے اس کو قبول کر لو اور ان سے لڑنے سے رک جاؤ اور اگر وہ ان سب چیزوں سے انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ شروع کر دو۔

لشکر رخصت ہونے لگا اور اہل مدینہ کی آوازیں اپنے مجاہدین کو ان

tooba-elibrar

الفاظ سے رخصت کرنے لگیں:

اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے مدافعت کرے اور تم کو ہم تک صحیح سالم اور مالِ غنیمت کے ساتھ پہنچا دے۔

مسلمانوں کے لشکر نے مدینہ اور اطرافِ شام کا ایک مرحلہ طے کر لیا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ مستقل اشعار اور قصیدہ پڑھے جا رہے تھے اور کبھی تو مسلمانوں کو جوش دلاتے تھے اور ان کو ابھارتے تھے اور کبھی اپنے نفس کو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کی امید دلاتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ لشکر سرزمین شام کی معان نامی جگہ پر ٹھہر گیا اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ شام پر ہرقل کی طرف سے مقرر کردہ گورنر شرحبیل کو ان کے آنے کا علم ہو گیا ہے اور اس نے مختلف عرب قبائل کی جماعتوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ اور ہرقل کے پاس مدد کی درخواست کی تو ہرقل نے اس کی امداد کے لئے ایک عظیم الشان لشکر رومیوں سے ترتیب دیا اور ان کا سربراہ اپنے بھائی تیودور کو بنایا۔

مسلمان اس سوچ میں پڑ گئے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے، آیا وہ ہرقل کے اس لشکر کا مقابلہ کریں جس کی تعداد ایک لاکھ یا دو لاکھ ہے یا اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیج کر اس مسئلہ میں مشورہ نہ کر لیں تاکہ یا تو آپ ان کی مدد کے لئے آدمیوں کو

tooba-elibrary

بھیج دیں یا جو مناسب سمجھیں وہ مشورہ دے دیں۔

اسی کشمکش و پیچ میں مسلمان معان مقام پر دو دن تک ٹھہرے رہے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے اور آخر میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت و جوش دلاتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم، ہم افرادی کثرت اور کثرت ہتھیار و گھوڑوں اور تعداد کے بل بوتے پر نہیں لڑتے تھے ہم تو اس دین کے بل بوتے پر لڑتے تھے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اعزاز بخشا ہے، لہٰذا تم لوگ چلے چلو اس لئے کہ ہمیں دو اچھائیوں میں سے ایک اچھائی ضرور ملے گی، اور وہ یہ کہ یا تو ہم دشمنوں پر فتحیاب ہوں گے اور یا ہمیں شہادت نصیب ہوگی۔

اس بات سے لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور ان کے نفوس میں بہادری سرایت کر گئی اور انہوں نے باوجود اپنی تعداد کے کم ہونے اور دشمن کے زیادہ ہونے کے دشمن سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔

مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا اور بلقاء نامی جگہ کی حدود تک پہنچ گیا، جہاں ہرقل کا لشکر مشارف نامی ایک بستی میں ٹھہرا ہوا تھا، دشمن مسلمانوں کے نزدیک گیا تو مسلمانوں کا لشکر مؤتہ نامی بستی کی آڑ میں آ گیا۔ اس لئے کہ لوگوں نے اس جگہ کو مشارف والوں سے لڑنے کے لئے مناسب خیال کیا۔ چنانچہ مؤتہ میں مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکر کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ ایک طرف ایسی قوت تھی جس نے کثرت کی طاقت پر اعتماد کیا ہوا تھا اور دوسری

طرف ایک ایسی قوت تھی جس نے ایمان کی طاقت پر اعتماد کیا تھا۔

مسلمانوں کے جھنڈے کو تھامنے والے حضرت زید بن حارثہ دشمن کے لشکر میں گھس گئے اور جھنڈا اپنے ہاتھ میں پکڑے رہے اور نہایت بہادروں کی طرح جنگ کرنے لگے، نہ انہیں دشمن کے تعداد میں زیادہ ہونے کی پرواہ تھی اور نہ اس کے ہتھیاروں وساز وسامان کے زیادہ ہونے کی اور وہ اسی طرح لڑتے رہے حتیٰ کہ دشمنوں کے نیزوں کی ضربات کی کثرت سے وہ شہید ہو گئے۔

چنانچہ جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور اپنے گھوڑے کو نہایت بہادری وشجاعت سے دشمنوں کی صف میں داخل کر دیا اور تلوار سے دائیں بائیں حملہ کرنے لگے اور پھر جب دشمن نے ان کے گھوڑے کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ سمجھ گئے کہ اب دشمنوں سے جان چھوٹ نہیں سکتی اور یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اور اسے زخمی کر کے تلوار سے دشمنوں پر پل پڑے اور جھنڈا اپنے دائیں ہاتھ میں تھامے رہے حتیٰ کہ دشمنوں نے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا تو انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تو دشمنوں نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو انہوں نے اسے دونوں بازوؤں کے درمیان دبا لیا اور اسے اس طرح دبائے رہے حتیٰ کہ ایک رومی نے ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈا تھام لیا اور آگے بڑھ کر

tohfa-e-librar

جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جب خوب تھک گئے تو اپنے گھوڑے کو واپس موڑا اور واپس جانے یا جنگ کے جاری رکھنے میں تردد میں پڑ گئے۔ اس اثناء میں ان کے ایک چچا زاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا ان کے پاس لائے اور کہا: اس سے اپنی کمر مضبوط کر لیجیے اس لئے کہ ان دنوں میں آپ نے بہت فاقے کیے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے گوشت کا ٹکڑا لے لیا اور ابھی اس سے کچھ حصہ چبایا ہی تھا کہ ان کے کانوں میں مسلمانوں ـــــ اور دشمنوں کے مابین لڑائی کے شدید ہونے کی آواز آئی۔ چنانچہ انہوں نے گوشت کا وہ ٹکڑا ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ فرمانے لگے: کیا تم ابھی تک دنیا میں لگے ہو؟! اور پھر تلوار نکالی اور دشمن کی صفوں میں گھس کر جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اور اس وقت مسلمانوں کا جھنڈا گر گیا اور وہ تینوں حضرات جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر پر امیر مقرر کیا تھا نہایت شدید لڑائی اور بہادروں کی طرح جنگ کر کے زندگی کے آخری سانس تک لڑتے لڑتے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور بنو العجلان میں سے حضرت ثابت بن ارقم آگے بڑھے اور انہوں نے یہ کہہ کر جھنڈا اٹھا لیا: اے مسلمانوں کی جماعت کسی شخص کو متفقہ طور سے امیر مقرر کر لو:

سب نے کہا: آپ امیر ہیں، انہوں نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا، تو پھر سب نے یہ طے کیا کہ حضرت خالد بن ولید کو اپنا امیر بنا لیں، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا جھنڈا اٹھا لیا اور لشکر کے اگلے حصہ میں لڑتے رہے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ میں کئی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ پھر دونوں لشکروں اور لڑائی جاری رکھنے کے درمیان رات حائل ہو گئی۔

حضرت خالد نے یہ محسوس کر لیا کہ دشمنوں کے اس عظیم الشان لشکر سے مسلمانوں کا بچنا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ تدبیر اور حیلہ سے کام لیا جائے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد نے اپنے لشکر کی اصلاح کی اور اس کی صفوں کی ترتیب بدل دی چنانچہ دائیں طرف کے حصّہ کو بائیں طرف کر دیا اور اگلے حصّہ کو پیچھے کی طرف کر دیا اور پچھلے حصّہ کو آگے کر دیا اور مردوں کی ایک جماعت کو لشکر کے پیچھے کر دیا اور انہیں یہ نصیحت کی کہ اتنا شور و غل مچائیں کہ جس سے سننے والوں کو یہ محسوس ہو کہ وہ اپنی اس تعداد سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

قیصر کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں بہت بڑی عجیب تبدیلی ہے اور پھر پیچھے سے انہوں نے شور و غوغا کی آواز سن کر یہ یقین کر لیا کہ مسلمانوں کے لشکر کی مدد کے لئے اور لوگ آ گئے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنی صفوں کو اور منظم کر لیا ہے اور یہ اور طاقت ور ہو گئے

ہیں۔ چنانچہ رومیوں کی صفوں میں خوف و رعب سرایت کر گیا اس لیے کہ وہ پہلے دن باوجود مسلمانوں کے کم ہونے کے ان کی بہادری اور جانثاری کو دیکھ چکے تھے تو وہ سوچنے لگے کہ جب قلیل تعداد کی وہ حالت تھی تو اب جب کہ ان کے پاس اور مجاہد آگئے ہیں ان کی کیا حالت ہوگی۔

یہ دیکھ کر روم کے قائد حملہ کرنے میں پس و پیش کرنے لگے تاکہ اس معاملہ میں غور و فکر کرسکیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس موقعہ کی تلاش میں تھے چنانچہ وہ فوراً ہی اپنے لشکر کو مؤتہ سے لے کر مدینہ منورہ کی جانب لوٹ گئے۔

رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے اہل مدینہ کا یہ لشکر جب سے روانہ ہوا تھا اس وقت سے اہل مدینہ اس کے حالات جاننے کے نہایت مشتاق تھے اور وہ اس کے متمنی تھے کہ ان کو ایسی خبریں سننے کو ملیں جو مسلمانوں کی کامیابی اور فتح کی بشارت دینے والی ہوں۔

ایک روز مسلمان مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور آپ منبر پر تھے کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔

جھنڈے کو زید بن حارثہ نے تھام لیا اور انہوں نے جنگ کی حتیٰ کہ وہ شہید ہوگئے۔ مسلمان یہ بات سن کر نہایت فکر و بے قراری میں ہمہ تن گوش

ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجابات اور پردے ہٹا کر یہ دکھایا گیا ہے۔ پھر انہوں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں:

پھر جھنڈے کو جعفر نے تھام لیا اور انہوں نے بھی جنگ کی حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئے پھر فرمایا: پھر عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈا تھام لیا اور اس کو لے کر لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور پھر فرمایا: پھر جھنڈے کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے تھام لیا۔

یہ سن کر اہل مدینہ کے دل غم و اندوہ سے بھر گئے اور انہوں نے جان لیا کہ وہ تینوں امیر جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی امارت کے لئے نامزد کیا تھا شہید ہو چکے ہیں اور اس بات سے انہیں جنگ کی شدت اور دشمن کی عظیم قوت کا اندازہ ہو گیا۔

انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! عبد اللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع دینے سے پہلے آپ خاموش کیوں ہو گئے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے زید کو دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور جعفر کو دیکھا کہ وہ دو پروں کے ذریعہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور میں نے عبد اللہ کو دیکھا

tooba-e-library

کہ وہ ٹیڑھے ہو کر جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہ بات انصار پر بڑی گراں گزری اور انہوں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ان کے ٹیڑھے چلنے کا سبب کیا تھا؟

آپ نے فرمایا کہ جب انہیں زخم لگے تو وہ جنگ سے پیچھے ہٹنے لگے لیکن انہوں نے فوراً ہی اپنی نفس کو ملامت کی اور دل کو مضبوط کیا اور لڑنے لگے اور شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہو گئے۔ یہ سن کر انصار میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی پریشانی ختم ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس سے اس حالت میں اٹھے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر سخت غم کے آثار نمایاں تھے اور آپ نے حضرت جعفر کے گھر کا رخ کیا اور ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس کے پاس گئے اور فرمایا: اے اسماء جعفر کے بچے کہاں ہیں؟ حضرت اسماء ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا اور بوسہ دیا اور پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ رونے لگے، جسے دیکھ کر حضرت اسماء سہم گئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کیوں رو رہے ہیں کیا آپ کو جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ

نے فرمایا، جی ہاں آج وہ شہید ہو گئے ہیں. حضرت اسماء نے چیخ ماری اور تڑپنے لگیں اور غم کی وجہ سے سینہ کوبی کرنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے اسماء غلط بات نہ کہنا اور نہ سینہ پیٹنا۔

پھر آپ وہاں سے نہایت افسوس و غم اور حسرت کی حالت میں یہ کہتے ہوئے نکلے، ہائے افسوس

وہاں سے آپ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے پاس آئے اور فرمایا، جعفر جیسے آدمی پر رونے والی عورت کو رونا چاہیئے. پھر آپ نے گھر والوں سے کہا، جعفر کی اولاد کے لئے کھانا پکالو اس لئے کہ آج وہ اپنے آپ سے غافل ہیں.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی اولاد سے روتے ہوئے تعزیت و غمخواری کی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ کی اولاد سے بھی۔

اہل مدینہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا لشکر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے اور اب وہ لشکر خالد کی امارت و سربراہی میں مدینہ کی طرف آرہا ہے تو اہلِ مدینہ کو یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی اور انہوں نے اس کی تصدیق کی، لیکن جب حضرت خالد لشکر کو لے کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اہلِ مدینہ ان پر سخت ناراض ہوئے اور اس لشکر والوں سے نہایت ناراضگی اور بے رُخی سے ملے اور انہیں یہ کہنے لگے: اے بھگوڑو، تم اللہ

کے راستہ سے بھاگے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کے بارے میں جب اہلِ مدینہ کی یہ باتیں سنیں تو ان سے فرمایا:

یہ لوگ بھگوڑے نہیں انشاء اللہ یہ لوگ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے دوبارہ لوٹ کر جائیں گے۔

* * *

لا يؤمن أحدكم حتى
أكون أحب إليه من والده
وولده والناس أجمعين

۲۱

فتح مکہ

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ	اور جب مقرر کیا ہم نے خانۂ کعبہ
مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا	کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے
(البقرۃ - ۱۲۵)	اور جگہ امن کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح مکہ کی دولت سے جلد از جلد مالا مال فرما دیں تاکہ وہ دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ سکیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ دو سال تک کے لئے یہ صلح ہے جس میں کوئی فریق بھی دوسرے سے نہ جنگ کرے گا نہ قتل و غارت، ساتھ ہی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ عرب قبائل میں سے جو قبیلہ بھی اس معاہدہ میں جس کے ساتھ داخل ہونا چاہے اس کو داخل ہونے کی اجازت ہے چنانچہ اس موقعہ پر خزاعہ کے قبیلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے اور بنو بکر کے قبیلے قریش کی طرف۔

اس معاہدہ کے بعد دن گذرتے رہے اور صورت حال یہ رہی کہ نہ مسلمان قریش اور ان کے ساتھ ملنے والے قبیلوں سے کوئی تعرض کرتے تھے اور نہ قریش مسلمانوں اور ان کے ساتھ ملنے والے قبیلوں سے، یہاں تک کہ واقعہ مؤتہ پیش آیا جو مسلمانوں اور رومیوں اور ان کے ساتھ ملنے والے عربوں کے مابین ایک زبردست معرکہ تھا جس میں حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کا لشکر واپس لوٹ کر آگیا تھا اور مدینہ کے مسلمان اس واپس ہونے والے لشکر سے سخت ناراض تھے اور ان کو بزدل اور بھگوڑے قرار دے رہے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہوئے بلکہ آپ اس موقعہ پر واپس آنے والے لشکر کی جانب سے یہ فرماتے تھے کہ: یہ لوگ بھگوڑے نہیں بلکہ ان شاء اللہ دوبارہ لوٹ کر حملہ کرنے والوں میں سے ہیں۔

اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ بعض وہ قبیلے جو مسلمانوں سے ڈرتے اور ان کی طرف سے متفکر رہتے تھے انہوں نے مسلمانوں کو کمزور سمجھنا شروع کر دیا اور پھر یوں ہوا کہ قریش کی ایک جماعت نے اس معاہدہ سے روگردانی شروع کر دی جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان طے ہوا تھا۔

غزوہ موتہ سے مسلمانوں کی واپسی ایک ایسی صورت حال تھی کہ جس سے ایک طرف قریش اور ان کے حلیف قبیلوں اور مدینہ منورہ کے قریب

tohfa.elibrar

رہنے والے قبائل پر وہ اثر پڑا تھا جو ابھی بیان کیا گیا لیکن ان کے علاوہ جو قبیلے اس جنگ کے عمل وقوع کے قریب بستے تھے ان پر اس واقعہ کا اثر بالکل اس کا ضد پڑا تھا، اس لئے کہ یہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جنگ جس سے مسلمان جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہ جنگ جس میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی جبکہ ان کے مدمقابل رومی لشکر کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی ان کی نظروں میں اس عظیم الشان لشکر سے مسلمانوں کا بچ کر نکل جانا بڑی زبردست کامیابی تھی، بلکہ یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ کوئی اس جیسے عظیم لشکر سے ٹکرائے اور پھر بچ جائے۔ درحقیقت اللہ کی مدد ہی اس لشکر کے ساتھ تھی جس کی وجہ سے وہ لشکر کامیابی سے نکل گیا۔

ان قبائل کو مسلمانوں کی اس صورتِ حال پر اتنا تعجب ہوا اور ان کی قوت ایمانیہ کا ان پر اتنا اثر پڑا کہ ان میں سے اکثریت کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور ساتھ ہی وہ عرب جو رومیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے وہ مسلمانوں کی بہادری شجاعت وجرأت اور جنگ کے فنون سے واقفیت اور تجربہ کو دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اس تفرقہ اور کھلے ہوئے ظاہری امتیازی سلوک کو بھی اس وقت محسوس نہ کر سکے جو قائدین ان کے اور رومیوں کے لشکر کے ساتھ برت

رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ ان کے پاس سے رخصت ہو گئے تو اصل صورت حال ان کے سامنے آئی اور اسلام جو امتیاز اور تفریق کا قائل نہیں ہے اس کو اس صورت حال سے زبردست فائدہ پہنچا۔

مسلمانوں کی ہیبت و رعب کو دوبارہ قائم کرنے میں مسلمانوں کو اس بات سے بھی بہت فائدہ پہنچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بعض ان قبائل کے پاس بھیجا جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں شام کی سرحدوں کے قریب رہتے تھے، حضرت عمرو کا انتخاب اس لئے کیا کہ ان کی والدہ اسی علاقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے عمرو کے لئے یہ آسان تھا کہ ان سے تعلقات پیدا کریں اور ساتھ ہی وہاں والوں کے لئے ان پر اعتماد و بھروسہ کرنا بھی آسان تھا۔

حضرت عمرو اپنے سفر میں ابھی سلاسل نامی چشمہ تک ہی پہنچ پائے تھے کہ اپنے سفر کو وہیں موقوف کر دیا اس لئے کہ انہیں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مختلف قبائل ان کے خلاف محاذ بنا کر انہیں اچانک ہلاک و ختم نہ کر ڈالیں اس لئے انہوں نے امداد طلب کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں ان کی مدد کے لئے ایک جماعت بھیجی

tobaaelibrary

اور انہیں یہ وصیت کی کہ عمرو کے ساتھ اختلاف نہ کریں۔

جب حضرت ابو عبیدہ حضرت عمرو کے پاس پہنچے تو اس وقت تک دونوں صاحبان اپنے اپنے ساتھیوں اور جماعت کے قائد تھے حضرت عمرو نے حضرت ابو عبیدہ سے فرمایا کہ آپ میری امداد کے لئے آئیں۔ حضرت ابو عبیدہ نہایت بہادر و بے حد متواضع اور نرم آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت عمرو کے سامنے گردن جھکا دی اور ان کو اپنا قائد بنا لیا اور یہ فرمانے لگے: اے عمرو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخر میں جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ آپس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت عمرو تمام افراد کے قائد بن کر چلے اور ان تمام قبیلوں کو جو ان کے مدمقابل تھے ذلیل و رسوا کیا اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑاتے رہے حتی کہ ان کا لشکر تتر بتر ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ان لوگوں پر مسلمانوں کا رعب و ہیبت چھا گئی۔

اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ان قبائل پر دوبارہ چھا گئی جو مسلمانوں کو حقیر و معمولی سمجھنے لگے تھے۔

ادھر قریش اور ان کے حلیف بنو بکر کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ بنو بکر کی ایک جماعت نے اپنے عہد و پیمان کو اس طرح توڑ ڈالا کہ انہوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر جو مکہ کے پاس اپنے چشمہ پر مقیم تھے راتوں رات حملہ

کردیا۔ بنو بکر نے خزاعہ پر ان پرانی رنجشوں اور دیتوں کے سبب سے حملہ کیا تھا جنہیں صلح حدیبیہ نے ان کے درمیان حل کر دیا تھا۔ بنو بکر کی امداد قریش کی ایک مسلح جماعت نے بھی کی اور بنو بکر کے ساتھ مخفی طور پر مل کر لڑنے لگے تاکہ عہد و پیمان توڑنے کا الزام ان پر نہ آئے۔

خزاعہ والوں نے مکہ آکر حرم میں پناہ حاصل کی اور بدیل بن ورقاء خزاعی جو مکہ میں ہی مقیم تھے ان کے گھر چلے گئے اور ان سے مدد طلب کی اور عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ منورہ کا قصد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، آپ لوگوں کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے لہٰذا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بنو بکر و قریش نے خزاعہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا تذکرہ کیا اور بتلایا کہ خزاعہ والوں نے کس طرح ان کے ساتھ غدر کیا اور جنگ کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا جس پر سب نے متفقہ طور پر صلح کی تھی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سالم کی بات کو خوب غور سے سنا جب وہ بات ختم کر چکے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرو بن سالم تمہاری مدد کی جائے گی اور لوگوں نے یہ محسوس کر لیا کہ بنو بکر اور قریش نے مسلمانوں اور خزاعہ والوں سے جو عہد شکنی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز خاموش نہ بیٹھیں گے۔

بدیل بن ورقا، جس سے ان کی قوم نے مدد کی درخواست کی تھی وہ بھی خزاعہ کے کچھ افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلنے کے ارادہ سے نکلے اور آپ کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور پھر مکہ" مکرمہ واپس لوٹ گئے۔ مکہ واپس لوٹتے ہوئے راستہ میں ان کی ملاقات قریش کے سردار ابوسفیان بن حرب سے ہوئی جو مدینہ جا رہے تھے۔

بدیل بن ورقا اور ان کے ساتھیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف اس وجہ سے جا رہے ہیں کہ قریش نے اس معاملہ کی سنگینی کو محسوس کر لیا ہے جو ان کے بعض لوگوں نے خزاعہ والوں کے ساتھ کیا تھا۔

ابوسفیان نے بھی یہ سمجھ لیا کہ بدیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہی آ رہے ہیں چنانچہ ابوسفیان نے بدیل سے پوچھا: اے بدیل کہاں سے آ رہے ہو؟

بدیل نے ابوسفیان سے اپنے مدینہ منورہ جانے کو مخفی رکھا، لیکن ابوسفیان نے بدیل کے مدینہ جانے سے انکار کرنے کی تصدیق نہ کی۔ چنانچہ جب بدیل اور ان کے ساتھی چلے گئے تو ابوسفیان بدیل کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ گیا اور اونٹوں کی مینگنیوں کو غور سے دیکھا اور ان میں مدینہ کے چارہ کے دانے پہچان کر کہنے لگا: بخدا بدیل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

پاس ضرور گیا ہے۔

اور پھر ابوسفیان نے مدینہ جانے کے لئے اپنا سفر جاری رکھا جس کی رغبت ان کے قبیلے والوں نے بھی انہیں دلائی تھی اور انہیں یہ یقین تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قریش کی اس حرکت کا پتہ چل گیا ہے۔

چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ملیں، چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں ان کا قصد کیا تاکہ وہ ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ کا کام دیں۔

لہٰذا ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اسے لپیٹ دیا ابوسفیان اپنی بیٹی کے اس کام کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا اور ان سے پوچھا: اے میری پیاری بیٹی مجھے معلوم نہیں کہ کیا تم نے بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا۔

تو انہوں نے جواب دیا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا اور آپ ناپاک مشرک آدمی ہیں اس لئے مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ آپ اس بستر پر بیٹھیں، یہ بات سن کر ابوسفیان کو غصہ آگیا اور کہنے لگے۔ اے میری بیٹی بخدا

مجھ سے جدا ہونے کے بعد تم گمراہی میں پڑ گئی ہو۔

یہ کہہ کر ابوسفیان اپنی بیٹی کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور آپ سے مل کر اس سلسلہ میں بات چیت کی جس کے لئے قریش نے انہیں بھیجا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے اور اس میں اور پختگی اور تاکید پیدا کر جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو کوئی جواب نہیں دیا۔

چنانچہ وہاں سے ابوسفیان نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رُخ کیا تاکہ ان کو واسطہ دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر نے واسطہ بننے سے انکار کر دیا تو ابوسفیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت عمر کا جواب تھا کہ کیا میں تم لوگوں کی سفارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گا ؟ ! بخدا اگر میرے پاس ــــ چیونٹیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو تب بھی میں تم سے چیونٹیوں کے ذریعہ ہی جنگ کروں گا۔

پھر ابوسفیان حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں اور ان کے سامنے ان کے صاحبزادے حضرت حسن بھی تھے چنانچہ ابوسفیان نے صورتحال حضرت علی کے سامنے رکھی اور ان سے درخواست کی کہ وہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں سفارش کریں۔ لیکن حضرت علی نے فرمایا: اے ابوسفیان بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر کسی میں یہ طاقت نہیں کہ آپ کو اس سے روک سکے یا اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کر سکے۔ یہ سن کر ابوسفیان حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور قسم دے کر ان سے کہا:

اے فاطمہ! کیا تم اپنے والد صاحب سے قریش کی سفارش کر سکتی ہو تاکہ تمہارا یہ بیٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عربوں کا سردار بن جائے؟! حضرت فاطمہ نے فرمایا: اے ابوحنظلہ (ابوسفیان کی کنیت ہے) تمہیں معلوم ہے کہ مسلمان عورتیں اس سلسلہ میں دخل نہیں دیا کرتیں اور کوئی شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بغیر کسی کو امان نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر ابوسفیان پر یاس و ناامیدی غالب آگئی اور بہت غمگین ہو گئے اور پھر مشورۃً حضرت علی سے کہا: اے ابوالحسن (حضرت علی کی کنیت ہے) معاملات بہت سنگین ہو گئے ہیں آپ مجھے مشورہ دیں میں کیا کروں؟

حضرت علی نے فرمایا: بخدا مجھے تو کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہے کہ جس سے تمہیں کچھ فائدہ ہو البتہ تم چونکہ بنوکنانہ کے سردار ہو اس لئے کھڑے ہو اور لوگوں کو امان دے دو اور پھر اپنے ملک و وطن چلے جاؤ۔

ابوسفیان نے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے کیا اس سے مجھے کچھ فائدہ

tooba-e-libra

حاصل ہو گا؟

حضرت علی نے جواب دیا۔ نہیں خدا کی قسم ہرگز نہیں؟! میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا لیکن میں تمہارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں پاتا۔ چنانچہ ابوسفیان مسجد میں کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ انہوں نے لوگوں کو امان دے دیا ہے اور پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ کی جانب چل دئے۔

جب وہ مکہ پہنچے تو ان کی قوم کے لوگ جلدی سے ان کے پاس آئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ ان کے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کیا طے ہوا، چنانچہ انہوں نے بتلایا کہ ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور ساتھ ہی حضرت علی کے دئے ہوئے مشورہ کا بھی تذکرہ کیا تو ان لوگوں نے اپنے سروں کو حرکت دی اور غصہ کی حالت میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ علی نے تم سے مذاق کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اقدام کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ابھی ابوسفیان مدینہ سے رخصت بھی نہیں ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو سامانِ سفر تیار کرنے کا حکم دے دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سامان تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس تیاری میں لگی ہوئی تھیں کہ ان کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں

نے جب ان کو سامانِ سفر تیار کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا: اے عائشہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔

پھر حضرت ابو بکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا میں بھی تیاری کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں: حضرت ابو بکر نے پوچھا: اے اللہ کے رسول آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے ابو بکر اس بات کو ذرا پوشیدہ رکھنا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا البتہ ان کو یہ نہیں بتلایا کہ کس جانب جانا ہے اور جو قبائل آپ کے حلیف و معاہد تھے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ: جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ رمضان کے مہینے میں مدینہ منورہ میں موجود رہے، اہل مدینہ نے تیاری شروع کر دی اور ادھر ادھر سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپنے گھوڑوں ساز و سامان و اسلحہ وغیرہ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور ان سب کی تعداد پندرہ ہزار تک پہنچ گئی۔

سنہ آٹھ ہجری میں دس رمضان کو جب کہ لشکر مدینہ سے رخصت

ہونے کو تیار تھا ٹھیک اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ آپ مکہ مکرمہ کے ارادے سے نکل رہے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ذریعہ دعا مانگی۔

اے اللہ جاسوس وغیرہ کو قریش تک نہ پہنچنے دے تاکہ قریش کو ہمارے آنے کی اطلاع نہ ملے۔ لشکر چلنے والا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی اور پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر کو بلایا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ جلدی سے فوراً جائیں اور مکہ کی ایک عورت جس کا نام سارہ ہے جو کہ بنو عبد المطلب میں سے کسی کی آزاد کردہ باندی ہے اسے پکڑ لیں اس لئے کہ حاطب بن ابی بلتعہ نے اس کے ساتھ اہلِ مکہ کو ایک خط لکھ کر بھیجا ہے جس میں مکہ والوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر ان کی طرف آ رہا ہے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر مسلمانوں میں سے تھے جو لشکر کے ہمراہ تھے، چنانچہ حضرت علی و زبیر اس عورت کے تعاقب میں تیزی سے نکل کھڑے ہوئے اور اس کو پکڑ لیا اور اس سے اس خط کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اونٹ سے نیچے اتارا اور سامان کی تلاشی لی لیکن اس میں بھی ان دونوں کو کچھ نہ ملا تو حضرت علی نے اس عورت سے کہا۔

خدا کی قسم یا تو تم خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ ہم تمہیں تلاشی کے لئے

ننگا کر دیں گے، چنانچہ جب اس عورت نے یہ محسوس کر لیا کہ واقعی حضرت علی ایسا کر گذریں گے تو اس نے کہا کہ آپ منہ پھیر لیں چنانچہ حضرت علی و زبیر نے منہ پھیر لیا اور پھر اس عورت نے وہ خط اپنے بالوں کے جوڑے میں سے نکال کر ان دونوں کے حوالہ کر دیا اور یہ دونوں اس خط کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا اور ان کو وہ خط دکھلا کر فرمایا: اے حاطب تم نے ایسا کیوں کیا؟

واقعی یہ ایک سخت گھڑی تھی اور خصوصاً حضرت حاطب جیسے شخص کے لئے جو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے مخلص مشہور تھے۔ حضرت حاطب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، بخدا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور نہ کسی قسم کا تغیر، بات دراصل یہ تھی کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کا قریش میں نہ کوئی خاندان ہے نہ قبیلہ اور قریش کے پاس میری والدہ اور بچے موجود ہیں اس لئے میں نے یہ احسان ان پر اس لئے کرنا چاہتا تاکہ اس حسن سلوک کی وجہ سے یہ لوگ میری ماں و بچوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں ان کی گردن اڑا دوں اس لئے کہ یہ صاحب منافق ھو گئے ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر تمہیں کیا معلوم ؟!

ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اہل بدر کی طرف نظر عنایت فرماتے ہوئے یہ فرمایا ہو کہ جاؤ جو چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے اور پھر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی۔

(یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا	اے ایمان والو تم میرے دشمن اور اپنے
عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ	دشمن کو دوست نہ بنالینا کہ ان سے محبت
اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ) (الممتحنہ۔ ۱	کا اظہار کرنے لگو۔

چنانچہ مسلمانوں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حاطب کو مومنین ہی میں شمار فرمایا ہے اور واقعی حضرت حاطب سچے پکے مؤمن ہیں منافق ہرگز نہیں، اور ان سے یہ غلطی ایک ایسی غلطی تھی جو انسان سے کبھی کبھی انسانی کمزوری کی وجہ سے بلا قصد و ارادہ صادر ہو جایا کرتی ہے۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ کا رُخ کر کے چل پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ قریش کو آپ کے آنے کی خبر نہ ہو تاکہ وہ جنگ کے لئے تیاری نہ کر سکیں اور آپ اس بات کے متمنی تھے کہ بغیر خون بہائے مکہ مکرمہ فتح ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے لئے جاسوس کے طور پر چند حضرات کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ راستے وغیرہ کی نگرانی کریں۔ چنانچہ ان میں سے بعض حضرات ہوازن قبائل کے ایک آدمی کو اپنے ساتھ لے کر آئے، اس سے جب باز پرس کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہوازن کا جاسوس ہے اور ادھر

toba-e-library

ادھر سے ہوازن کے لئے خبریں جمع کر رہا تھا اور حالات معلوم کر رہا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے باز پرس کی تو معلوم ہوا کہ ہوازن والے مسلمانوں سے جنگ کی خاطر لشکر اکٹھا کر رہے ہیں اور یہ کہ ان لوگوں نے طائف کے ثقیف قبیلہ والوں کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے تاکہ وہ ان کی امداد کریں، تو ثقیف والوں نے ان سے اتنے عرصہ کے لئے مہلت طلب کی جتنے عرصہ میں دمشق کے علاقہ جرش آدمی بھیج کر بھاری قسم کا جنگی سامان توپیں ٹینک وغیرہ منگا سکیں۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی کڑی نگرانی کا حکم دیا اور اس کو قید رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔

لشکر چلتا رہا اور سفر کے دوران لشکر سے آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ملاقات ہوئی جو اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کے قصد سے آ رہے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ایمان لے آئیں۔

اپنے چچا حضرت عباس کی ملاقات سے آپ کو خوشی ہوئی اور ان کے مسلمان ہونے کے اعلان سے آپ کو بہت سرور حاصل ہوا اور آپ نے ان کے اہل و عیال کو مدینہ منورہ بھیج دیا اور حضرت عباس لشکر کے ساتھ ساتھ ہو لئے اسی طرح لشکر والوں کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قریبی عزیزوں آپ کے چچا زاد بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب

اور پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ سے بھی ہوئی جو اپنے اہل و عیال سمیت آئے تھے اور یہ دونوں حضرات بھی مدینہ منورہ اس ارادہ سے جا رہے تھے تاکہ آپ کے دستِ مبارک پر ایمان لے آئیں۔ لیکن جب ان دونوں نے آپ کے سامنے حاضری کی اجازت مانگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس لئے حاضری کی اجازت نہ دی کہ یہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے قیام کے دوران تکلیفیں پہنچاتی تھیں اور آپ کو سخت پریشان کیا تھا۔

حضرت عباسؓ ان دونوں کی سفارش کے لئے آگے بڑھے جیسے کہ اس سلسلہ میں آپ کی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی پیش قدمی کر چکی تھیں اور حضرت ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی وہ ازواج مطہرات تھیں جنہیں آپ کے ساتھ اس سفر میں رفاقت کی سعادت حاصل تھی، اور عبداللہ بن امیہ حضرت ام سلمہ کے باپ شریک بھائی تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ میرے چچازاد بھائی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے اور میرے پھوپھی زاد بھائی نے میرے بارے میں جو کچھ کہنا تھا وہ مکہ میں کہہ لیا۔

ابوسفیان کو جب معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملنے سے

انکار کر دیا ہے تو یہ بات اس پر بہت شاق گذری اور اس نے کہا: بخدا مجھے ضرور اجازت دیں گے ورنہ یہ کہ میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کسی گوشہ کی طرف چلا جاؤں گا تاکہ ہم بھوکے پیاسے مر جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر رحم آگیا تو آپ نے انہیں اور ان کے ساتھی کو اپنے پاس داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ دونوں آئے اور آپ کے دستِ مُبارک پر اسلام لے آئے۔ پھر لشکر اپنے راستہ پر چلتا رہا اور پھر کسی ایسی بات کا علم نہ ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا علم ہو گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سمیت مرالظہران نامی جگہ پہنچ گئے جو مکہ کے قریب ہی تھی اور وہاں ایک کھلے میدان میں لشکر نے پڑاؤ ڈال دیا اور دور دور تک اس سرزمین کے طول وعرض میں اس لشکر کے اوّل وآخر کا پتہ نہ چلتا تھا اور حضرت عباس کو یہ پورا یقین ہو گیا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان لشکر کو لے کر مکہ میں زبردستی داخل ہوں گے تو لازمی طور سے قریش ان کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ چیز قریش کی بیخ کنی کا ذریعہ بنے گی۔

حضرت عباس نے کافی سوچا اور یہ حل مناسب سمجھا کہ ان کا وہ خاندان وقبیلہ جسے وہ کل چھوڑ کر رخصت ہوئے تھے اس سے جا کر صلح کی بات کر کے

tobaa-elibrary

اسے اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اگر عافیت چاہتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح و معاہدہ کرلیں۔

جس رات مسلمانوں کے لشکر نے مر الظہران میں پڑاؤ ڈالا تھا اور وہاں مختلف جگہ ایسی زبردست آگ دہک رہی تھی جس سے تمام صحراء ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگ اور روشنی کا ایک ٹکڑا ہے، اس رات حضرت عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیضاء نامی خچر پر سوار ہوئے اور بلند ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنے لگے تاکہ کوئی لکڑہارا یا دودھ والا یا کوئی ایسا آدمی نظر آجائے جو مکہ جا رہا ہو تاکہ اس کے ساتھ قریش کو یہ پیغام بھیج دیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر امان طلب کریں۔

حضرت عباس ابھی اس جگہ کھڑے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہے تھے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے قریب ہی دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں چنانچہ وہ ان کی باتیں سننے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے یہ کہہ رہا ہے۔

آج کی رات جتنی بڑی آگ نہ میں نے کبھی دیکھی ہے اور نہ اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے۔

دوسرے نے کہا: بخدا یہ تو خزاعہ والے ہیں جن کو جنگ نے آگ بگولہ

کر دیا ہے اور ان کو زبردست طریقے سے ابھارا ہے۔

پہلے والے نے جواب دیا: خزاعہ والے اتنے زیادہ اور اتنے بڑے نہیں ہیں کہ وہ اتنی آگ جلا سکیں اور ان کا اتنا بڑا لشکر ہو، حضرت عباس نے محسوس کر لیا کہ پہلی آواز والے ابوسفیان بن حرب ہیں چنانچہ حضرت عباس نے بلند آواز سے پکارا: اے ابوحنظلہ؟ (ابوسفیان کی کنیت ہے) دوسری طرف سے استفسار کی شکل میں ابوسفیان کی آواز آئی کہ کیا ابوالفضل (حضرت عباس کی کنیت ہے) ہیں؟ حضرت عباس نے فرمایا: جی ہاں، ابوسفیان اپنے ساتھی سمیت حضرت عباس کے پاس آگئے اور کہا ان کے ساتھ جو صاحب تھے ان کا نام بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام تھا اور ابوسفیان نے کہا: اے ابوالفضل آپ کو کیا ہو گیا؟ اور آپ کے پاس کیا خبر ہے؟

حضرت عباس نے فرمایا: اے ابوسفیان تباہی ہو تم لوگوں کے لئے یہ دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ جمع ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے تو قریش کے لئے موت ہو گی۔ ابوسفیان نے پوچھا: کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا تدبیر اختیار کرنا چاہیے۔ حضرت عباس نے فرمایا: تم خچر کے پچھلے حصہ پر سوار ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں۔ چنانچہ ابوسفیان حضرت عباس کے خچر پر سوار ہو گیا اور بدیل

tooba-elibrary

بن ورقاء اور حکیم بن حزام مکہ واپس لوٹ گئے۔

کیا واقعی قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے ارادہ سے نکلنے کا علم ہو گیا تھا اور قریش نے ان تینوں آدمیوں کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ وہ حالات معلوم کریں اور ان میں سے کوئی بھی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر دے دے!؟ لیکن زیادہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ اچانک ایسا ہو گیا تھا۔

حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر مسلمانوں کے لشکر اور جلتی آگ کے درمیان سے گذرنے لگے یہ دونوں جب بھی کسی آگ کے پاس سے گذرتے تو وہاں موجود حضرات اس خچر کو دیکھ کر یہ پہچان لیتے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور اس کو آگے گذرنے کی اجازت دے دیتے حتیٰ کہ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آگ کے قریب پہنچے تو انہوں نے خچر کو دیکھا اور دیکھا کہ ابوسفیان اس پر سوار ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے:

اللہ کا دشمن ابوسفیان آگیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارے قبضہ میں دے دیا اور پھر تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی جانب روانہ ہو گئے تاکہ حضرت عباس کے وہاں پہنچنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی

اجازت طلب کرلیں۔

حضرت عباس حضرت عمر کے ارادہ کو بھانپ گئے اور وہ بھی تیزی سے چلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اس وقت حضرت عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے ابوسفیان کو امان دے دیا ہے اور پھر حضرت عباس یہ کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گئے کہ: بخدا آج رات ان سے میرے سوا کوئی اور گفتگو نہیں کرے گا۔

حضرت عمر حضرت عباس پر غصہ ہو گئے اور حضرت عباس حضرت عمر پر اور جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا بڑھ گیا اور بات چیت آگے بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا: اے عباس ان کو اپنے خیمہ کی طرف لے جاؤ صبح کو میرے پاس لے کر آجانا۔

صبح کو حضرت عباس و ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے کہا: اے ابوسفیان تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا اب بھی اس بات کا وقت نہیں آیا ہے کہ تم یہ یقین کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ

tooba-elibrar

کتنے بردبار کتنے شریف اور کتنے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ بخدا میرا یہ خیال ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو وہ بھی مجھے کچھ فائدہ نہ پہنچاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوسفیان کیا ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کتنے حلیم و بردبار اور شریف اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس بارے میں اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ شبہ ہے۔ حضرت عباس نے جلدی سے ابوسفیان سے کہا: ہلاکت ہو تمہارے لئے!! اسلام قبول کرلو اور اس سے پہلے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ابوسفیان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اسلام لے آئیں اور کلمہ پڑھ کر سچی گواہی دے دیں اور حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک ایسے شخص ہیں کہ جو فخر کو پسند کرتے ہیں اس لئے ان کو کوئی خصوصیت بخش دیں جو ان کے لئے باعث فخر بنے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ

بند کریں وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی امان میں ہے۔

اور پھر جب حضرت عباس و ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس لوٹے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو روکا اور ان سے فرمایا: اے عباس ان کو وادی کے اس تنگ مقام کے پاس روکے رکھو جہاں سے پہاڑ کو راستہ جاتا ہے تاکہ اللہ کے مجاہدین کے لشکر وہاں سے جب گزریں تو یہ ان کو دیکھ لیں۔

چنانچہ جب حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر پہاڑ کی جانب جانے والے راستے کے پاس پہنچے تو وہاں ان کو لے کر رک گئے حتیٰ کہ مسلمانوں کا لشکر اور جماعتیں ان کے پاس سے گذر گئیں اور ہوتا یہ تھا کہ جب بھی کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا لے کر وہاں سے گذرتا تو حضرت ابوسفیان حضرت عباس سے پوچھتے: یہ کون سا قبیلہ ہے؟! تو حضرت عباس ان کو اس کا نام بتلا دیتے تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم لشکر آگیا جس میں انصار و مہاجرین تھے اور ان کے خود اور اسلحہ ہی اسلحہ نظر آ رہا تھا، تو ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

حضرت عباس نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار ہیں، ابوسفیان اس کو دیکھ کر دہشت میں تو پڑ ہی گئے

مجھ سے کہنے لگے ان کا نہ کوئی مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ ان کو کوئی روک سکتا ہے۔ بخدا اے ابو الفضل تمہارے بھتیجے کی حکومت تو بہت زبردست ہو گئی ہے تو حضرت عباس نے فرمایا: اے ابو سفیان یہ تو نبوت کا کرشمہ ہے، ابو سفیان نے کہا پھر تو بہت ہی اچھی بات ہے۔

ابو سفیان مکہ کی جانب چل پڑے اور جب آبادی کے قریب پہنچ گئے تو بلند آواز سے یہ کہنے لگے: اے قریش کی جماعت یہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آ گئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا سن لو کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ مامون ہے اور جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے وہ بھی امان میں ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ بھی امان میں ہے۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ کی جانب روانہ ہو گیا اور جب ذی طویٰ نامی جگہ پر پہنچ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو اس طرح تقسیم فرما دیا کہ دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولید کو مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں اس جانب سے داخل ہوں جو نشیب میں واقع ہے اور بائیں بازو پر حضرت زبیر بن عوام کو مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مکہ میں مغربی جانب سے داخل ہوں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی قیادت فرما رہے تھے جس کو مکہ کی اس جانب سے داخل ہونا تھا جو بلندی پر تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ صرف اس سے جنگ کریں جو ان سے جنگ کرے اور خونریزی پر صرف اس وقت آمادہ ہوں جب بہت زیادہ مجبور ہو جائیں، البتہ چند آدمی ایسے تھے کہ جن کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتلا دیئے تھے اور ان کے لئے یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردے سے چمٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

حضرت سعد بن عبادہ والا لشکر کا حصہ جب چلنے لگا تو ان پر حمیت غالب آگئی اور انہوں نے ایسا جنگی نعرہ بلند کیا جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان سے خونریزی سرزد نہ ہو جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے، اس لئے آپ نے حضرت سعد کو معزول فرما کر ان کی جگہ ان کے بیٹے قیس کو مقرر کر دیا۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے حرکت میں آگیا۔ مکہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور اپنے آپ کو گھروں میں بند کر لیا تھا اور کھڑکیوں سے اسلام کے اولین مرکز میں اسلام کے لشکر کو داخل ہوتا ہوا دیکھنے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے وہ مکہ جہاں سے آپ رات کی تاریکی میں چھپ کر نکلے تھے وہ مکہ جہاں سے آپ قریش سے

tooba-e-library

بچنے کے لئے راتوں رات نکلے تھے اور اس وقت آپ کے رفیق سفر صرف حضرت ابوبکر اور ایک خادم تھے۔ اس مکہ مکرمہ میں آج آپ اس حالت میں داخل ہو رہے تھے کہ قریش نے اس کے تمام دروازے آپ کے لئے کھول دیئے تھے اور آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمانوں کی جماعت تھی۔

سبحان اللہ! یہ ایک ایسی گھڑی تھی کہ جس کی ہیبت سے دل کانپ اٹھتے ہیں اور عاجزی و تواضع کے اظہار کے لئے سر جھکائے جاتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں داخل ہوئے کہ آپ نے اللہ تعالے کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے سر مبارک کو اتنا جھکا رکھا تھا کہ قریب تھا کہ آپ کی داڑھی مبارک آپ کی سواری کی پشت (پیٹھ) پر لگ جائے۔

مسلمانوں کا پورا کا پورا لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا اور قریش نے کسی قسم کی مدافعت نہ کی سوائے اس جانب کے جہاں سے حضرت خالد بن ولید داخل ہوئے تھے، اس لئے کہ وہاں وہ لوگ رہتے تھے جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے جیسے کہ عکرمۃ بن اُبی جہل اور صفوان بن امیۃ اور سہیل بن عمرو وغیرہ ان لوگوں کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ بغیر کسی مقابلہ و مدافعت کے مسلمان ان کے علاقہ میں داخل ہو جائیں لہٰذا ان لوگوں نے اپنے ساتھ ان لوگوں کو ملا کر مسلمانوں سے جنگ کی جن کو یہ لوگ جنگ پر برانگیختہ و آمادہ کر چکے تھے لیکن مسلمانوں کی طاقت و قوت کے سامنے ان میں سے کوئی بھی

نہ ٹھہر سکا اور سب کے سب شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اس معرکہ میں دس سے اوپر قریش کے آدمی مارے گئے اور دو مسلمان شہید ہوئے۔

حضرت خالد بن الولید کے جنگ کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے لیکن جب آپ کو یہ بتلایا گیا کہ حضرت خالد نے اس وقت تک جنگ نہیں کی جب تک کہ بہت زیادہ مجبور نہیں ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں بھلائی ہے جسے اللہ نے پسند فرمایا۔

مکہ کے بلند حصہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگا دیا گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا: آپ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول ؐ کیا آپ اپنے گھر میں قیام نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا، کیا مکہ میں میرے لئے کوئی گھر چھوڑا گیا ہے؟! اے اللہ کے رسول آپ جس گھر کو پسند کریں اس میں قیام فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہرگز کسی گھر میں نہیں ٹھہروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں ٹھہرے رہے اور پھر جب حالات پرسکون ہو گئے اور لوگ مطمئن ہو گئے تو آپ بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور سواری پر ہی بیت اللہ کے سات چکر لگا کر طواف کیا اور پھر حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور ان سے کعبہ کی چابیاں منگوائیں، جب وہ آپ کے پاس چابیاں لے آئے تو آپ نے کعبہ کا دروازہ کھول دیا اور پھر اس کے دروازہ

پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔

لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور تن تنہا جماعتوں کو شکست دی۔

پھر قریش کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک پڑھ کر سنایا:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات - ۱۳)

اے لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیئے ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: اے قریش کی جماعت تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟

انہوں نے کہا: اچھا گمان ہے، آپ نہایت شریف بھائی ہیں اور نہایت شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم سب آزاد ہو سب کو معاف کیا جاتا ہے۔

واقعی یہ ایسے کلمات تھے کہ جنہیں سن کر قریش ایک لمحہ کے لئے بالکل خاموشی میں پڑ گئے اور پھر انہوں نے اس کے عظیم معنی سمجھ لئے اور اس کی زبردست روح کو پا لیا اور یہیں سے مکہ والوں کی نفوس میں اس ذات کے لئے نہایت محبت و عظمت اعزاز و اکرام سرایت کرنے لگا جو واقعی ایک کامل و مکمل سمجھدار انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے روپ میں موجود تھے جن کی نفس کی بلندی اور روح کی پاکیزگی بشریت کے معیار سے اوپر تھی جس میں کسی قسم کے حسد و کینہ کی گنجائش قطعاً نہ تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہو گئے اور وہاں جو تصویریں و بت بنے تھے ان کے مٹانے کا حکم دیا اور پھر اپنے عصا سے ان بتوں اور مورتیوں کی طرف اشارہ فرمایا جو کعبہ کے اندر اور باہر موجود تھیں اور آپ یہ فرما رہے تھے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔
(بنی اسرائیل - ۸۱)

اور آپ کہہ دیجئے کہ سچ آیا اور جھوٹ
نکل بھاگا بے شک جھوٹ ہے ہی
نکل بھاگنے والا۔

اور تمام بتوں اور مورتیوں کو توڑ دیا گیا اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو ان بتوں سے پاک کر دیا جس کے پاک کرنے کا آپ نے ایک طویل عرصہ سے اعلان کیا ہوا تھا۔

tooba-e-library

اور پھر حضرت بلال کعبہ کے اوپر نماز کے لئے اذان دینے کے لئے چڑھ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امامت فرمائی. چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ کے قریب کعبہ کے صحن میں نماز پڑھی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے اور انصار نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے اس بڑے انعام فتح مکہ اور بتوں سے اس کی پاکیزگی کو دیکھا تو ایک سے ڈرتے ڈرتے کہنے لگے :

کیا خیال ہے آپ لوگوں کا کہ اب جبکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سرزمین دلا دی اور فتح وکامرانی سے نوازا کیا اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہیں مقیم ہو جائیں گے ؟!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا سے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھنے لگے کہ ان لوگوں نے آپس میں کیا بات چیت کی تھی، وہ حضرات خاموش رہے، آپ نے ان سے مکرر سہ کر پوچھا تو انہوں نے وہ بات بتلا دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ، زندگی تمہارے ساتھ گذرے گی اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہو گا۔

فتح مکہ کے دوسرے دن خزاعہ والوں کو مکہ میں ایک ایسے مشرک شخص کا علم ہوا جس کا ہذیل سے تعلق تھا اور خزاعہ والوں کا اس شخص پر خون بہا

آرہا تھا چنانچہ خزاعہ والوں نے اس مشرک شخص کو قتل کر دیا، یہ بات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اسی روز سے مکہ کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا یہ قیامت تک کے لئے محترم و حرام ہی رہے گا، لہٰذا کوئی بھی ایسا شخص جو اللہ اور قیامت کے روز پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ یہاں کسی کا خون بہائے یا یہاں کے درخت کو کاٹے اور اس مکہ مجھ سے پہلے بھی کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد پھر کسی کے لئے حلال ہوگا اور میرے لئے بھی یہاں کے لوگوں پر غضب و ناراضگی کی وجہ سے اس تھوڑے سے وقت کے لئے ہی حلال کیا گیا تھا اور پھر اس کی حرمت و احترام پہلے کی طرح لوٹ آیا ہے، لہٰذا تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ ان لوگوں تک اطلاع پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں لہٰذا اگر تم سے کوئی شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکہ میں قتال و جنگ کی ہے تو اس سے یہ کہہ دینا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کے لئے اسے حلال کر دیا تھا، تمہارے لئے حلال نہیں کیا ہے۔

کیا عظیم الشان اور کیا ہی عجیب و غریب خطاب تھا، نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ان عظیم کارناموں اور اس اہتمام نے اہل مکہ کے دل جیت لئے اور ان کے دلوں پر جو پردے پڑے تھے وہ دور کرائے اور ان کی ظلماتی تاریکیاں اور حجابات دور کر دئے۔ چنانچہ وہ ان بتوں اور مورتیوں کو جو ان کے گھروں میں تھے خود جا کر توڑنے پھوڑنے لگے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دستِ مُبارک پر بیعت کرنے اور اسلام قبول کرنے لگے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحافہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے والد نہایت عمر رسیدہ اور آنکھوں سے معذور تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو حضرت ابو بکر سے فرمایا: آپ نے اس عمر میں ان کو کیوں تکلیف دی، ان کو گھر پر ہی رہنے دیتے میں خود وہاں چلا جاتا؟! تو حضرت ابو بکر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں بنسبت اس کے کہ آپ ان کے پاس جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر اپنا دستِ مبارک پھیر کر ان سے فرمایا: اسلام قبول کر لو، چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور دوسرے اور بہت سے سرکش مشرک مرد عکرمہ بن ابی جہل جیسے اور مشرک عورتوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ عکرمہ بن

ابی جہل صفوان بن امیۃ کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس کے لئے امان طلب کیا اور عکرمہ کو تلاش کر کے لائیں اور پھر عکرمہ آکر مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح سرکش مشرک عورتوں میں سے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبۃ، وہ ہند جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کے کلیجہ کو جنگِ احد کے موقعہ پر چبا لیا تھا وہ ہند بھی مسلمان ہو گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو بھُنے ہوئے بھیڑ کے بچے اور دودھ کی ایک مشک ہدیۃ پیش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا جن کے قتل کا آپ حکم دے چکے تھے اور جن کے خون کو آپ نے مباح کر دیا تھا لیکن جب ان کے لئے امان طلب کیا گیا تو آپ نے انہیں معاف کر دیا، ان لوگوں میں سے عبد اللہ بن ابی سرح بھی تھے جو مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے اور پھر مرتد ہو کر مکہ چلے گئے اور یہ کہنے لگے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی بنایا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ دن مقیم رہے، لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی اور اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج اور جماعت

tohfa-e-librar

در جماعت داخل ہونے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپ کی تسبیح بیان کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائی تھیں وہ آپ تلاوت فرماتے رہے۔ فرمایا:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا.
(النصر ۔ ا تا ۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آپہنچے اور آپ
لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در
جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ
اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیجئے اور
اس سے استغفار کیجئے بے شک وہ
بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

* * *

تھا خزاں میں سب کو جس کا انتظار
آگیا وہ لے کے پیغامِ بہار

۲۲

غزوۂ حنین

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ
فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ
إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا» ۔

(النصر - ۱ تا ۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ۔

اللہ تعالٰے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فتح مکہ سے نواز دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک وہاں مقیم رہے اور اس عرصہ میں اہلِ مکہ جماعات در جماعت اور فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لا رہے اور آپ کے سامنے مسلمان ہو رہے تھے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰے کے اس عظیم انعام و احسان پر اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس میں مسلسل مشغول تھے اس لئے کہ اللہ تعالٰے نے آپ اور مسلمانوں کو اس مکہ کی فتح سے ہمکنار کیا تھا جو ان کا شہرِ محترم

تھا جس سے انہیں تقریباً آٹھ سال تک دور رکھا گیا تھا ان کو وہاں جانے، کعبہ کی زیارت اور بیت اللہ کے حج سے روک دیا گیا تھا اس لئے کہ ان مسلمانوں اور قریش میں سخت اختلاف و دشمنی تھی۔

ان پندرہ دنوں میں جن میں آپ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ان میں آپ نے مختلف جہات کی جانب اپنے قاصد اسلام کی دعوت دینے اور وہاں موجود بتوں کو توڑنے کے لئے بھیجے، چنانچہ حضرت خالد بن ولید کو عزیٰ نامی بت کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کو توڑ ڈالا اور حضرت عمرو بن العاص کو ہذیل کے بُت سواع کی جانب بھیجا اور انہوں نے اسے توڑ دیا، اسی طرح ذوالکفین اور مناۃ کو توڑنے کے لئے بھی اپنے آدمی بھیج دیے۔

قریش کی اکثریت کے مسلمان ہونے کی اطلاع جب اور لوگوں کو ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کی بات پر اکثر لوگوں نے عمل کیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اسلام کی دعوت دینے جن حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا ان میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے جن کے ساتھ آپ نے قبائل عرب کے بعض اور مسلمانوں کو بنو جذیمہ کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا، بنو جذیمہ نے جب حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو آتے دیکھا تو انہوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لئے اور ان سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے تو حضرت خالد نے ان سے چیخ کر کہا:

tobaa-elibrary

تم لوگ ہتھیار ڈال دو اس لیئے کہ اور لوگ اسلام لا چکے ہیں، بنو جذیمة یہ سن کر متردد ہو گئے کہ اب کیا کرنا چاہیے تو ان میں سے ایک آدمی جس کو جحدم کہا جاتا تھا اس نے ان کے تردد کو ختم کرتے ہوئے کہا،

اے بنو جذیمہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، بخدا یہ تو خالد ہیں، جنگ کے بعد قید کر لیا جائے گا اور قید کے بعد گردن اڑا دی جائے گی اس لیے بخدا میں تو اپنے ہتھیار ہرگز نہ اتاروں گا۔

بنو جذیمہ کے بعض افراد نے جواب دیا: اے جحدم کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے خون کو بہا دو؟! لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور جنگ ختم ہو چکی ہے اور لوگ ایمان لا چکے ہیں، وہ لوگ اس کو سمجھاتے رہے حتیٰ کہ اس نے اپنے ہتھیار اتار دئے اور اسی طرح اور جو لوگ جنگ کرنے کے حامی تھے انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دئے اور حضرت خالد کے سامنے گردن جھکا دی اور وہ یہ کہنے لگے: ہم نے اپنا دین بدل دیا، ہم صابی ہو گئے یعنی اپنے دین کو چھوڑ دیا۔

حضرت خالد نے حکم دیا اور ان کو باندھ دیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا اور اس طرح سے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دئے۔ حضرت خالد نے بنو جذیمہ کے ہتھیار ڈالنے کے بعد جو کچھ ان کے ساتھ کیا تھا جب اس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ پر اس واقعہ پر بہت شدید اثر ہوا اور آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ فرمایا:

اے اللہ میں آپ کے دربار میں خالد بن ولید کے فعل سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا: ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کے حالات کا جائزہ لو اور امورِ جاہلیت کو اپنے پاؤں تلے ڈال دو۔ حضرت علی بنو جذیمہ کے پاس گئے اور ان کو ان کے مقتولین کی دیت اور جو ان کا مال و متاع ضائع ہو گیا تھا اس کا تاوان دیا، پھر جب بنو جذیمہ کے مقتولین کی دیت اور مال و متاع کا تاوان دے چکے اور ان کے پاس پھر بھی کچھ مال باقی بچ رہا تو انہوں نے وہ مال ان کو دے دیا اور فرمایا:

میں تم کو یہ باقی ماندہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے احتیاطاً دے رہا ہوں تاکہ یہ اس کے بدلے ہو جائے جس کا نہ ان کو علم ہے نہ تم کو اور پھر حضرت علی مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا واقعہ ذکر کیا تو آپ نے اس پر نکیر نہ فرمائی۔

اور جب لوگوں نے حضرت خالد کے اس واقعہ پر نکیر کرنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد بن الولید کو برا بھلا نہ کہو اس لئے کہ وہ اللہ کی تلواروں میں ایک ایسی تلوار ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نیام سے باہر نکالا ہے۔

اور اس طرح سے مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف بتوں سے پاک ہو گئے

حتیٰ کہ لوگ خود بھی ان بتوں کو توڑنے لگے جو ان کے گھروں میں موجود تھے اور یہ کہنے لگے: ہم آپ کے بارے میں دھوکے میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے لئے ایسے آدمی مقرر کر دئے جو انہیں دین کی تعلیم دیں اور حج کے مسائل سکھائیں اور حاجیوں کو پانی پلانے کے کام پر اپنے چچا حضرت عباس کو برقرار رکھا اور حضرت عثمان بن طلحہ اور ان کے بعد ان کی اولاد کو قیامت تک کے لئے کعبہ کی خدمت کے لئے طے فرما دیا۔

لہٰذا ان سے یہ حق ظالم اور زیادتی کرنے والا ہی چھین سکتا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن کے قبائل کے بارے میں جو اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ سے جنگ کرنے کے لئے جماعتوں کو اکٹھا کر رہے ہیں، اس بارے میں غور کیا اور آپؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس سے پہلے کہ وہ تیار ہوں اور جنگ کے لئے دوسروں کو تیار کر لیں آپ خود ان مسلمانوں کی جماعتوں کو لے کر جو آپ کے ساتھ ہیں ان پر حملہ کر دیں۔

اور اس ارادے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار مجاہدین کے ہمراہ مکہ سے نکلے اور ان کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کے بھی دو ہزار آدمی شریک ہو گئے تھے اور یہ سب کے سب ساز و سامان و اسلحہ سے لیس تھے۔

یہ عظیم الشان لشکر جس کی نظیر جزیرۂ عرب نے مسلمانوں میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا اور اہلِ لشکر

میں کچھ تکبر اور اپنے اوپر اعتماد و فخر کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی حتیٰ کہ بعض بعض سے یہ کہنے لگے۔ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ آج ہم اپنی کثرت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔

ہوازن والوں کو مسلمانوں کے مکہ فتح کرنے کی خبر مل چکی تھی۔ چنانچہ مالک بن عوف نصری کی امارت میں انہوں نے ثقیف اور دوسرے حلیف قبائل وغیرہ سے مل کر فوری طور سے جماعتیں اکٹھا کرلیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل آسکیں اور اس سے پہلے کہ وہ ان کے پاس آکر ان کے بتوں کو توڑیں اور بت پرستی کو ختم کریں یہ راستہ میں ان کے آڑے آجائیں۔

ان قبیلوں کی جماعتیں نکل کھڑی ہوئیں اور سب کی سب اوطاس نامی جگہ پر اکٹھا ہوگئیں اور وہاں آدمیوں کے بولنے اونٹوں اور گدھوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے اور بکریوں کی آوازیں بھی تھیں۔

ان آوازوں کو سن کر ایک نہایت ضعیف آدمی درید بن الصمۃ نہایت متعجب ہوگئے، وہ اپنی قوم بنی جشم کے افراد کے ساتھ ایک کھلے ہوئے ہودج پر سوار تھے اور ان کا جنگ میں شریک ہونا بالکل بے سود تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنے تجربہ اور بے شمار جنگوں میں شرکت اور لڑائیوں کو دیکھنے کی بنیاد پر لوگوں کو مشورہ دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا:

کیا ہو گیا ہے کہ مجھے اونٹوں گدھوں بکریوں اور بچوں کے رونے کی آواز آرہی ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ مالک بن عوف نے لوگوں کے ساتھ ان کے مال عورتیں اور بچوں کو بھی نکال دیا ہے۔ اسی نے کہا: مالک کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔

جب اس کو ان کے پاس بلایا گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا: اے مالک تم نے لوگوں کے ساتھ ان کے اموال اور عورتوں اور بچوں کو کیوں نکالا ہے؟ مالک نے جواب دیا: میں نے یہ چاہا کہ ہر لڑنے والے شخص کے پیچھے اس کے مال اور اہل و عیال کو رکھا جائے تاکہ وہ ان کی طرف سے دفاع کی خاطر جنگ کرے۔

درید نے کہا: شکست کھانے والا جب شکست کھا جائے تو کیا کوئی چیز اسے روک سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر فتح تمہاری ہو تو تمہیں تلوار اور نیزہ ہی کام دے گا اور اگر تم شکست کھا جاؤ تو تمہیں اپنے مال اور اہل و عیال کے سلسلہ میں رسوائی اٹھانی پڑے گی۔

بات چیت آگے بڑھ گئی اور اس معمر بوڑھے جس کو تجربوں اور عمر کے گذرنے نے سمجھدار اور تجربہ کار بنا دیا تھا اس کے اور اس نوجوان مالک بن عوف جو تیس سال سے زائد عمر کا نہ تھا کے درمیان اس سلسلہ میں جھگڑا بڑھ گیا حتیٰ کہ مالک نے غصہ میں درید سے کہا:

بخدا میں تمہارے مشورہ پر ہرگز عمل نہیں کروں گا تم بوڑھے ہو چکے

ے

tooba-e-librar

ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے۔ پھر اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا: اے ہوازن کی جماعت بخدا تم یا تو میری بات مانو گے یا پھر میں اپنی اس تلوار کو سینے پر رکھ کر اتنا زور دوں گا کہ وہ میرے سینے سے آر پار ہو کر پشت سے نکل جائے۔ اس کی قوم نے اس کی بات ماننے اور اس کو قائد تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اور اس طرح سے مالک تن تنہا قائد بن گیا اور اس کی رائے پر عمل ہونے لگا اور اس تے اپنے جاسوس بھیجے تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں اس تک پہنچائیں اور وہ ان سے ٹکرانے اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے لشکر کو تیار کر سکے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوسوں نے مالک بن عوف کے لشکر اور اس کی تیاری سے آپ کو باخبر کر دیا تھا اور اس جگہ کے بارے میں بھی بتلا دیا تھا جہاں یہ جماعتیں جمع اور اکٹھا ہوئی تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر چلے یہاں تک کہ وادی حنین اوپر سے صاف نظر آنے لگی۔

مسلمان رات کو لشکر کے منظم کرنے اور مجاہدین کی ٹکڑیاں مرتب کرنے کے لئے ٹھہر گئے، پھر جب فجر طلوع ہونے کو آئی تو لشکر منظم ٹکڑیوں کے ساتھ چلنے لگا جس کے آگے آگے بنو سلیم کے قبیلے تھے جن کی قیادت حضرت

خالد بن ولید کر رہے تھے اور اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیضاء نامی خچر پر سوار تھے ۔

اور فجر کی تاریکی میں لشکر نے حنین کے تنگ راستہ کو طے کیا اور تہامہ کی وادیوں میں سے ایک نچلی وادی میں اترنے لگا۔ ابھی یہ لوگ اتر ہی رہے تھے اور وادی باوجود وسیع و کشادہ ہونے کے ان کی صفوں سے بھر گئی تھی کہ اچانک وہ ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے اور ان کو مہلک اور وحشت ناک رعب نے گھیر لیا اور وہ الٹے پاؤں چیختے چلاتے بھاگنے دوڑنے لگے اور ان کے منہ سے خوف و ڈر اور گھبراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں ۔

ان کے ساتھ کیا بات پیش آگئی ؟! اور مسلمانوں کے لشکر کو کیا حادثہ پیش آگیا ؟ انہیں کیا ہو گیا کہ وہ بھاگے چلے جا رہے ہیں اور ادھر ادھر منہ پھیر کر تک نہیں دیکھتے حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنی تعداد کی کثرت پر فخر کر رہے تھے ۔

ان کے ساتھ ہوا یہ اور ان کو آفت یہ درپیش آئی کہ وادی کے درمیان اور حنین کی چوٹیوں سے ان پر اچانک تیروں کی بارش شروع ہو گئی ۔ یہ دراصل مالک عوف کی ایک تدبیر تھی اور اس نے یہ چال اس لئے چلی تھی کہ اس سے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا سکے اور مسلمانوں کی ہیبت و رعب کو ختم کر دے ۔

مالک نے اپنے آدمیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے وادی کے موڑوں اور حنین پہاڑ کے کشادہ حصّوں میں چھپ جائیں اور جب مسلمان وادی میں اترنے لگیں تو ان پر بیک وقت ایک آدمی کے حملہ کی طرح حملہ کر دیں تاکہ ان کے نفوس میں خوف پیدا ہو جائے اور ان کی صفوں میں بھگدڑ مچ جائے اور مالک اپنی اس تدبیر میں کامیاب ہو چکا تھا۔

اور مسلمان ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے بڑھاتے الٹے پاؤں بھاگنے لگے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے دائیں جانب ہو گئے اور مسلمان آپ کے پاس سے گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں الٹے پاؤں بھاگ رہے تھے اور آپ ان سے فرما رہے تھے: اے لوگو تم کہاں جا رہے ہو؟ میرے پاس آجاؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں، لیکن اس شور و غل اور دہشت اور گھبراہٹ کی چیخ و پکار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پکارنا یوں ہی بے سود چلا گیا۔

مسلمانوں کی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والی جماعتیں برابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذر رہی تھیں اور ان کے پیچھے پیچھے ہوازن اپنے مخفی ٹھکانوں، پہاڑ کی چوٹیوں سے نکل آئے اور وادی کی گھاٹیوں میں اپنے چھپنے کی جگہ سے باہر آگئے اور ان کی جماعتوں کی قیادت ہوازن کا ایک شخص کر رہا تھا جو ایک سُرخ اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا

نیزہ تھا جس کے ایک کنارہ پر اس نے ایک سیاہ جھنڈا لگا رکھا تھا، وہ جہاں کہیں مسلمانوں کو دیکھتا اپنے نیزے سے ان کو مار دیتا اور جب مسلمان نہیں ملتے تو اپنے پیچھے آنے والی قوم کے لیے نیزے کو بلند کر لیتا تاکہ وہ اس کے پیچھے آ سکیں۔

مسلمانوں کو جو پریشانی پیش آئی اس کو قریش کی اس جماعت نے بھی دیکھا جو ابھی چند روز قبل ہی مسلمان ہوئے تھے اور جو حقیقت میں دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ مل کر جنگ کرنے صرف مال غنیمت حاصل کرنے کی خاطر نکلتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان بن حرب نے مذاق اڑاتے اور خوش ہوتے ہوئے کہا: ان کی شکست سمندر میں داخل ہوئے بغیر ختم نہیں ہو گی۔

اور شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا: آج میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنا بدلہ لے لوں گا۔

اور کلدہ بن حنبل نے کہا: آج تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ختم ہو گیا۔ یہ بات سن کر ان کے بھائی صفوان نے کہا: خاموش ہو جاؤ خدا تمہارا منہ توڑ ڈالے اس لئے کہ بخدا میرا بڑا ایک قریشی بنے یہ مجھے اس کی بنسبت زیادہ محبوب ہے کہ میرا بڑا ہوازن کا کوئی آدمی بنے۔

اے اللہ آپ نے اپنے رسول کو فتح مکہ کے ذریعہ مکمل فتحیاب کرنے

tooba-elibra

کے بعد آج اس طرح سے کیوں چھوڑ دیا ہے!

اے رب آپ نے مسلمانوں کے دلوں میں رعب کیوں ڈال دیا جب کہ ان کی نفوس اس وقت پر سکون اور دل مطمئن تھے جب انہوں نے اپنی کثرت اور دشمنوں کے اکٹھا ہونے کو دیکھ لیا تھا۔

مسلمانوں کے اعتبار سے اس مشکل وقت اور ان کے مآل کے اعتبار سے اس سخت گھڑی میں جو ان کے رعب وہیبت کے باقی رہنے یا ختم ہونے کے لئے ایک فیصلہ کن وقت تھا ایسے وقت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہوئے اور نہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور اپنی تلوار سے دشمن کے ٹھاٹھیں مار کر آنے والے سمندر کا مقابلہ کرتے رہے آپ کے اردگرد انصار و مہاجرین کی ایک جماعت بھی نہایت ثابت قدم رہی جس میں حضرت ابوبکر و عمر بن الخطاب اور آپ کے اہل وعیال کی ایک جماعت جن میں آپ کے چچا حضرت عباس، علی بن ابی طالب اور ابوسفیان بن الحارث بھی تھے اور حضرت عباس اور ابوسفیان بن الحارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس جو کہ نہایت جسیم اور بلند

tobaa-elibrary

آواز کہتے سے فرمایا: اے عباس یہ آواز لگاؤ: اے ان انصاریوں کی جماعت جنہوں نے اپنے گھروں اور شہر میں پناہ و ٹھکانہ دیا اور مدد و نصرت کی۔ اے ان مہاجرین کی جماعت جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔

چنانچہ حضرت عباس نے اپنی بلند آواز سے لوگوں کو پکارا: اے لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں لہٰذا تم لوگ اکٹھے ہو جاؤ، حضرت عباس کی آواز وادی کے اطراف میں گونجی اور اس آواز کو ان لوگوں نے بھی سن لیا جو اللہ کے لئے اپنے گھر بار اور مال و دولت کو چھوڑ کر ہجرت کر آئے تھے اور ان انصار نے بھی آواز سن لی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد و نصرت کی تھی جب آپ کو آپ کی قوم قریش نے پریشان کر رکھا تھا۔

کیا یہ سب کے سب آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جا سکتے تھے؟ کیا یہ آج آپ کو تنہا چھوڑ کر دشمن کے حوالے کر سکتے تھے؟ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے لئے سالوں کی ہوئی جہاد کو ضائع کر سکتے تھے؟

جی نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ . . اللہ تعالےٰ نے وقتی گھبراہٹ کے بعد ان کے دلوں میں سکون پیدا فرما دیا اور خوف کے بعد ان کے نفوس میں اعتماد و بھروسہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان پر لبیک کہتے ہوئے۔ ایک جماعت مہاجرین کی اور ایک جماعت انصار کی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی: اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں، ہم موجود ہیں اور

ان حضرات میں سے بیشتر نے جب یہ دیکھا کہ اونٹوں کے ساتھ وہاں جانا مشکل ہے تو وہ اونٹوں سے اتر کر آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس جگہ کی طرف تیزی سے بڑھے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔

اے اللہ تمام تعریفیں اور شکر آپ ہی کے لئے ہے، مسلمان دشمن پر حملے کے لئے ان کی صفوں میں گھس گئے ان مسلمانوں کے ہراول دستہ میں حضرت علی بن ابی طالب تھے، حضرت علی اور ان کے ساتھ ایک انصاری اس شخص کی طرف بڑھے جس کے ہاتھ میں ہوازن کا جھنڈا تھا اور دونوں اس پر پل پڑے اور اسے گرا دیا۔

لوگ بہادری اور بے جگری سے لڑنے لگے، لڑائی سخت ہو گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی طرف دیکھا جس کے افراد میں عزم دوبارہ ابھر چکا تھا اور ان کی قوت و شجاعت لوٹ آئی تھی اور وہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ساتھ سخت ترین جنگ لڑنے لگے تھے تو آپ نے فرمایا: اب جنگ سخت ہو گئی ہے۔

پھر آپ نے ایک مٹھی میں کنکر اٹھائے اور مشرکوں کے چہروں پر یہ فرماتے ہوئے مار دئے: چہرے بگڑ جائیں! اے اللہ آپ نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ پورا فرما دیجئے۔ اے اللہ ان کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ ہم پر غالب آ جائیں۔

tooba-e-librar

صورت حال بدل چکی تھی اور رُخ تبدیل ہو چکا تھا اور اب مشرکوں کا اور کوئی ارادہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ مسلمانوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور ان کے سامنے سے ہٹ جائیں اور اپنی جان بچالیں۔

ہوازن اور ان کے حلیف بھاگنے لگے اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے ان پر حملہ کرتے رہے اور ان سے سخت جنگ کرتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یہ کہہ کر جرأت دلاتے رہے: جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سازو سامان اسے ہی ملے گا۔

اللہ نے مسلمانوں پر یہ جو انعام فرمایا تھا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان تھا اس لئے کہ اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو خوف کے بعد امن سے نوازا اور پیٹھ پھیرنے کے بعد ثابت قدمی سے۔

اور اس طرح سے مسلمانوں کو اس وقت فتح حاصل ہوئی جب کہ ان کے بارے میں بہت سے اندازے قائم کر لئے گئے تھے اور دشمن اور مصیبت پر خوش ہونے والے لوگ بغلیں بجا رہے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ اتنا جری ہو گیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے آپ کو تلاش کرنے لگا تا کہ اس کے ذریعہ اپنے اس والد کا بدلہ لے سکے جو جنگ احد میں مارا گیا تھا، چنانچہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو اس پر ایک پردہ سا چھا گیا جس کی وجہ

سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلوار نہ اٹھا سکا اور پیچھے کی طرف ہٹ گیا اور اس نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں۔

اے شیبہ میرے قریب آ جاؤ، چنانچہ شیبہ گردن جھکائے ہوئے اس حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا کہ اسے آپ کی طرف اپنی نگاہ تک اٹھانے کی جرأت نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک شیبہ کے سینہ پر رکھ کر فرمایا: اے اللہ شیطان کو اس سے دور فرما دے۔

شیبہ نے جب اپنا سر اٹھایا تو اس کی حالت یہ ہو گئی کہ اب اس کو اپنی زندگی سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبوب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے شیبہ کافروں سے جنگ کرو۔

چنانچہ حضرت شیبہ آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جا کر لڑنے لگے اور ان کی خواہش یہ تھی کہ اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لیں۔ مسلمانوں کے لشکر کے سامنے کافروں کا لشکر شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ چنانچہ ان میں سے بعض طائف کی طرف بھاگ نکلے اور بعض نخلہ کی جانب اور بعض اوطاس کی طرف لوٹ گئے جہاں انہوں نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا تاکہ اپنے مال و سامان اور اولاد کو بچا لیں لیکن مسلمان ان کے پیچھے پیچھے ان کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے لئے آ رہے تھے۔

tooba-elibrary

چنانچہ درید بن الصمۃ قتل ہو گیا جسے ربیعۃ بن رفیع السلمی جو کہ ابن الدغنہ کے نام سے مشہور تھے اور ابھی بالکل نوعمر جوان تھے انہوں نے قتل کیا تھا۔ ہوا یوں کہ ابن الدغنہ نے اس کو ہودج سے یہ سمجھ کر مارا کہ یہ کوئی عورت ہے تاکہ اس کا ساز و سامان لے لیا جائے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ تو آدمی ہے تو انہوں نے اس کو قتل کرنا چاہا تو درید نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟

ربیعہ نے ان کو اپنا نام بتلا دیا اور پھر اس پر اپنی تلوار سے حملہ کر دیا۔ لیکن تلوار اس کا کام تمام نہ کر سکی تو درید نے ان سے کہا: تمہاری ماں نے تمہیں بہت خراب ہتھیار دیا ہے اس لئے تم کجاوے کے پچھلے حصہ سے میری تلوار لے لو اس سے مارو لیکن ہڈی سے بچانا اور دماغ سے نیچے مارنا اس لئے کہ میں مردوں کو اسی طرح مارا کرتا تھا، پھر جب تم اپنی والدہ کے پاس جاؤ تو انہیں یہ بتلا دینا کہ تم نے درید بن الصمۃ کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ ربیعہ نے انہیں تلوار سے حملہ کر کے قتل کر دیا۔

جب حضرت ربیعہ کی ملاقات اپنی والدہ سے ہوئی تو انہوں نے یہ واقعہ انہیں بتلایا اور درید نے انہیں جو پیغام دیا تھا وہ بھی سنا دیا تو ان کی والدہ نے کہا: بخدا اس نے تمہاری تین ماؤں کو آزاد کیا تھا مجھے اور میری والدہ اور تمہارے والد کی والدہ کو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں ضعیفوں اور عورتوں اور بچوں کے

قتل سے منع فرمادیا، مسلمان ہوازن کے مشرکین پر سخت ناراضگی اور غصہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے اور وہ یہ کہہ رہے تھے، یہ تو مشرکین کی اولاد ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ جواب دیا: کیا تمہارے عمدہ اور بہترین لوگ مشرکین کی اولاد نہیں تھے؟ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک کہ اس کی زبان اس کے بارے میں اظہار نہ کرے۔

وہ مسلمان عورتیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ہمراہ نکلی تھیں موقعہ ملنے پر دشمنوں سے لڑنے میں وہ بھی مردوں سے کچھ کم بہادر نہ تھیں اور جو حضرات میدانِ جنگ سے بھاگ گئے تھے اور واپس نہیں لوٹے یہ عورتیں ان سے سخت ناراض تھیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کے نرم برتاؤ پر تیار نہ تھیں۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ کی اہلیہ حضرت ام سلیم بنت ملحان نے اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، اللہ تعالٰے اگر آپ کو موقع دے تو آپ ایسے لوگوں کو ہرگز معاف نہ فرمائیں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور دشمن کے مقابلہ پر انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ایسے لوگوں کو آپ بالکل اسی طرح قتل کریں جس طرح ان مشرکوں کو قتل کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو جواب دیا وہ درگذر اور معافی پر مشتمل تھا آپ نے فرمایا: اے ام سلیم، اللہ تعالٰی نے ہماری مدد کی اور اس کی عافیت بہت وسیع ہے۔

مشرکوں کے شکست خوردہ لشکر کی جماعتیں زیادہ دیر تک ثابت قدم نہ رہ سکیں۔ چنانچہ جب بہت سے آدمی قیدی بنا لئے گئے تو لوگ جلدی جلدی بھاگنے لگے اور اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اپنے اموال اور عورتیں بچے مسلمانوں کے لئے بہترین مالِ غنیمت بنا گئے۔

مشرکوں کے لشکر کا قائد مالک بن عوف طائف چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے اس طرح جان بچائی کہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں قلعہ بند ہو گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت جمع کرنے کا حکم دیا اور آپ کے منادی نے لوگوں میں اعلان کیا کہ:

جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرے یعنی تقسیم سے قبل کوئی چیز اپنے لئے نہ لے۔

پھر مالِ غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو شمار کیا گیا تو اس کی مقدار یہ تھی: قیدی چھ ہزار اور اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اوقیہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو جعرانہ مقام کی طرف منتقل کرنے اور اس کی چوکیداری اور نگرانی کرنے کے لئے خیمے لگانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم بھی دیا کہ جس کے پاس کپڑے نہ ہوں اس کے لئے مکہ سے کپڑے خرید لئے جائیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جنگجو مجاہد ساتھیوں

tooba-elibrary

کو لے کر طائف روانہ ہو گئے تاکہ ثقیف والوں کا محاصرہ کیا جا سکے اور ان سے جنگ ہو۔

ثقیف والوں کو یہ معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شہر طائف کی مضبوط ترین چہار دیواری کے دروازے بند کر دئے اور محفوظ ترین قلعوں میں بند ہو گئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر طائف کے قریب ٹھہر گئے اس سے پہلے یہ حضرات راستہ میں وہاں کے ایک شخص کے باغ میں قیام کر چکے تھے اور مالک بن عوف کے قلعہ کو گرا چکے تھے۔

ثقیف والوں نے قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں پر تیر مارنا شروع کر دئے جس کی وجہ سے ان کے لشکر کو نقصان پہنچا اور کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنی دور جانے کا حکم دیا جو تیر کی پہنچ سے باہر ہو لہٰذا مسلمان اتنی دور چلے گئے جہاں ان کے تیر نہ پہنچ سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ اس قسم کے محفوظ قلعوں کو فتح کرنے اور ان میں موجود لوگوں سے جنگ کرنے اور ان کو قلعہ سے نکلنے پر مجبور کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کرنا چاہیئے تو مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ اس سلسلہ میں توپ اور ٹینک سے

tooba-elibrary

مدد لی جائے اور اس کے لئے ایسے آدمیوں کی مدد لی جائے جو ان کو اچھی طرح سے چلانا جانتے ہوں۔

اس کام کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی دوس کے پاس آدمی بھیجا جو ان کے پاس سے کچھ ایسے آدمی لے آئے جو یہ چیزیں چلانا جانتے ہوں۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت ان آلات اور اس سے متعلق سامان کو لے کر آگئی توپ لگا دی گئی اور اس سے طائف کے قلعوں کو نشانہ بنایا گیا اور ٹینکوں کے زیر سایہ مسلمانوں کی ایک جماعت قلعوں تک پہنچ گئی (پہلے زمانے میں لکڑی اور موٹے و دبیز چمڑے سے ایسے آلات بنائے جاتے تھے جن کے زیر سایہ دشمنوں کے قلعوں تک پہنچا جاتا تھا تاکہ ان میں نقب لگائی جا سکے ان آلات کو دبابات کہتے تھے) تاکہ قلعہ میں نقب لگا سکے، لیکن اہل طائف اس قسم کی جنگوں اور اس کے طریقوں سے خوب واقف تھے اس لئے انہوں نے لوہے کے کچھ ٹکڑے خوب گرم کئے اور جب وہ انگارے کی طرح سرخ ہو گئے تو ان کو ان دبابات پر ڈال دیا جس سے وہ دبابات جل گئے اور مسلمان مجاہدین اس کے نیچے سے نکل کر بھاگنے لگے لیکن ثقیف والوں نے ان پر تیر برسانا شروع کر دیئے اور ان کی ایک بڑی جماعت کو شہید کر دیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے آدمیوں کو طائف والوں کی انگور

کی بیلیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیں جو شہر کے باہر وسیع باغیچوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور عمدگی اور اعلیٰ ہونے میں مشہور تھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قلعہ والے قلعہ سے باہر آجائیں اور ہتھیار ڈال دیں، مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنا شروع کردیا اور بیلوں کو کاٹنے اور جلانے لگے۔

اہل طائف نے جب اس صورت حال کو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فعل ہرگز پسند نہیں ہے اور آپ خود ہی اس سے روکتے ہیں تو وہ آپ کو آپ کی شفقت کی قسم دیتے ہوئے یہ کہنے لگے۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے ان باغات کے کاٹنے کا کیوں حکم دے رہے ہیں؟ اگر آپ غالب آگئے تو یہ باغات آپ کے ہو جائیں گے ورنہ بصورت دیگر آپ اللہ اور اس رشتہ کے واسطے جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہے ان کو ہمارے لئے چھوڑ دیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آدمیوں کو باغات کے کاٹنے اور جلانے سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ ثقیف میں یہ اعلان کردیں کہ ان کا جو آدمی ہتھیار ڈال کر ہمارے پاس آجائے گا اسے آزاد کردیا جائے گا۔ چنانچہ آپ کے پاس ان کے تقریباً بیس آدمی آگئے اور آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے مقرر کردیا۔

طائف کا محاصرہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کر لیا کہ چونکہ ثقیف والوں کے پاس کھانے پینے اور ضروریات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اس لئے یہ محاصرہ اور طویل ہو سکتا ہے اس لئے آپ نے حضرت ابوبکر سے مشورہ کیا اور ان کو بتلایا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ طائف اس وقت فتح نہیں ہو سکتا اور پھر جب حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پوچھنے آئے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ طائف والوں کا محاصرہ ختم کر رہے ہیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کی تیاری کا اعلان کر دیا جائے۔

لوگوں پر یہ بات بہت شاق گذری کہ بغیر فتح کئے طائف کا محاصرہ ختم کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، اللہ سے ثقیف کے لئے بد دعا کیجئے، تو آپ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لے آ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان طائف سے واپس ہوئے اور آپ لوگوں سے یہ فرما رہے تھے کہ یہ کہو: ان شاء اللہ لوٹنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرنیوالے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے کے لئے جو مسلمانوں کو غزوہ حنین میں حاصل ہوا تھا جعرانہ کا رخ کیا۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع ہی کیا تھا کہ ہوازن

کا ایک وفد مسلمان ہو کر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ہوازن کے اموال اور قیدیوں کے واپس کرنے کی درخواست اس طرح پیش کی:

اے اللہ کے رسولؐ ہم پر احسان فرمائیے اس لئے کہ قیدی عورتوں میں آپ کی چچیاں، پھوپھیاں اور وہ آیائیں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی تھی اور اگر ہم حارث بن ابی شمر یا نعمان بن منذر کو دودھ پلاتے یا ان کی کفالت کرتے اور پھر ان میں سے کوئی ایک ہم پر ایسی فتح حاصل کرتا جیسے کر آپ نے حاصل کی تو ہم اپنے اوپر اس کی مہربانی اور احسان کی امید رکھتے اور آپ تو ان سب میں بہتر ہیں جن کی کفالت کی گئی ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے بچوں اور بیویوں سے زیادہ محبت ہے یا اپنے مال و دولت سے؟

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ آپ نے ہمیں ہمارے اہل وعیال اور مال کے درمیان اختیار دیا ہے آپ ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمیں واپس دے دیں وہ ہمیں زیادہ پسند ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اور بنو المطلب کے حصہ میں آئے ہوئے ہیں وہ ہی تمہیں دیتا ہوں لیکن جو اور لوگوں کا حصہ ہیں تو ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھوں گا لہٰذا جب میں لوگوں کے ساتھ ظہر

tooba-elibrar

کی نماز پڑھوں تو تم کھڑے ہو کر اپنے بچوں اور عورتوں کے بارے میں سفارش کرنا تو اس وقت میں بھی تم کو دے دوں گا اور تمہارے لئے سفارش بھی کر دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ چکے تو ہوازن کا وفد کھڑا ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انہوں نے گفتگو کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں اپنے اور بنو المطلب کے حق سے ہوازن کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔ یہ سن کر مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے حق سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ان کے بعد انصار نے بھی اور پھر اس کے بعد دوسرے قبائل میں سے بعض تو اپنے حق سے دستبردار ہو گئے اور بعض نے اپنے حق برقرار رکھا اور اس سے دستبردار نہیں ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو بھی ان قیدیوں میں اپنے حق کو لینا چاہتا ہے تو میں ان شاء اللہ اس کو اس کے عوض میں ہر فرد کے بدلے چھ ان قیدیوں میں سے دے دوں گا جو اس کے بعد ہماری قید میں آئیں گے۔ تمام لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حل کو پسند کیا اور تمام قیدی ہوازن کے سپرد کر دئے۔

ان قیدی عورتوں میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس کے ساتھ چوکیداری

کرنے والوں نے سخت کلامی کی تھی تو اس نے ان سے کہا تھا: اس بات کو یاد رکھو کہ میں تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضاعی بہن ہوں لیکن ان لوگوں نے اس کی تصدیق نہ کی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیماء بنت الحارث بن عبدالعزیٰ کو پہچان لیا جنہوں نے آپ کو بچپن میں جس وقت آپ بنو سعد میں دودھ پیتے بچے تھے اس وقت اپنی گود میں اٹھایا اور آپ کو کھلایا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیماء کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور ان کو اس پر بٹھایا اور ان کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کے پاس ٹھہر جائیں اور اگر چاہیں تو آپ ان کو چھوڑ کر ان کی قوم کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کے پاس واپس جانے کو پسند کیا۔

اور اس طرح سے ہوازن کا وفد اپنے ساتھ اپنے بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہو گیا اور چلتے وقت اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ:۔

مالک کو یہ بتا دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آجائے تو میں اس کو اس کے اہل وعیال اور مال بھی واپس دے دوں گا اور اس ساتھ ہی اس کو سو اونٹ بھی دوں گا۔

مسلمان قبیلوں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت کا مطالبہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگوں کو یہ خوف ہو کہ کہیں ایسی بات اور پیدا نہ ہو جائے جس سے مال غنیمت میں ان کا حصہ کم ہو جائے لہٰذا ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا اور بار بار درخواست کی اور آپ سواری پر سوار تھے کہ آپ سے جا کر ان لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم پر اونٹوں اور بکریوں کو تقسیم کر دیجیے، یہ حضرات اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور لوگوں کے کثرتِ ہجوم کی وجہ سے آپ کی چادر ایک درخت کی ٹہنی میں پھنس گئی تو آپ نے ان لوگوں سے جو آپ کے ارد گرد تھے غصہ میں فرمایا۔

اے لوگو میری چادر مجھے لا دو، بخدا اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد کے برابر جانور ہوتے تو میں وہ تم میں تقسیم کر دیتا اور تم مجھے نہ بخیل پاتے اور نہ بزدل اور جھوٹ بولنے والا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کی کوہان سے بالوں کا ایک گچھا توڑ کر فرمایا:

اے لوگو بخدا میرے لئے سوائے خمس (پانچویں حصے) کے اتنے سے بال لینے کا بھی حق نہیں ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تم ہی پر لوٹا دیا جاتا ہے اس لئے اگر کسی نے کوئی چیز بغیر حق کے لی ہو تو اسے چاہیے کہ اسے واپس کر دے اس لئے کہ وہ چیز قیامت میں ذلت و رسوائی اور آگ و سزا کا ذریعہ بنے گی۔

tobaa-elibrary

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تمام مجاہدوں پر تقسیم فرمایا اور قریش اور دیگر عرب قبائل کے وہ رؤسا اور سردار جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے لئے اس خمس سے جو اللہ کے نام پر نکالا جاتا ہے بڑے بڑے حصے ان کے لئے مخصوص کر دئے اور یہ ان کی تالیف قلب اور اسلام کی طرف ان کے دلوں کے مائل کرنے کے لئے تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے قریش اور قبیلوں کے رؤسا خوش ہو گئے اور ان کے نفوس مطمئن ہو گئے اور ان رؤسا میں ابو سفیان بن حرب اور سہیل بن عمرو اور علیم بن الحارث بن کلدۃ وغیرہ بھی تھے۔

اس عمل سے کچھ انصار کو تکلیف پہنچی اور ان کی طبیعت پر اس کا اثر ہوا، اس لئے کہ اس وجہ سے قریش اور اعراب کے کچھ آدمیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا تھا اور انصاریوں میں سے کسی کو اس امتیاز سے نہیں نوازا گیا اس لئے انصار کی ایک جماعت نے اس سلسلہ میں آپس میں گفتگو کی اور بعض نے بعض سے کہا: بخدا اللہ کے رسول اپنی قوم کے ساتھ مل گئے ہیں۔

انصار کے دلوں میں جو بات تھی وہ بات حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے سعد اپنی قوم کو میری خاطر یکجا جمع کر دو حضرت

سعد نے انصار کو اکٹھا کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

اے انصار کی جماعت یہ کیا بات ہے جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، تمہیں کیا ناراضگی ہو گئی ہے، کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم گمراہ تھے اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور فقیر تھے اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا اور ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی ؟!

انصار نے کہا: کیوں نہیں اللہ اور اس کے رسول کے ہم پر اس سے زیادہ احسانات اور انعامات ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کیا تم میری بات کا جواب نہیں دو گے ۔

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ہم آپ کو کیا جواب دیں اللہ اور اس کے رسول ہی کے ہم پر احسانات وانعامات ہیں ۔

آپ نے فرمایا: بخدا اگر تم چاہتے تو یہ بات کہہ دیتے اور اس میں تم سچے بھی ہوتے اور تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ:

آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو جھٹلایا گیا تھا لیکن ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ تن تنہا تھے۔ ہم نے آپ کی مدد کی،

tooba-e-library

آپ کو آپ کے شہر سے نکالا گیا تھا، ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپ خستہ حال تھے ہم نے آپ کے ساتھ غم خواری کی۔

اے انصار کی جماعت کیا تم نے اس وجہ سے اپنے دل میں کوئی بات محسوس کی ہے کہ میں نے دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت کسی قوم کو اس لئے دے دی تا کہ اس کی تالیف قلب ہو اور وہ پکے مسلمان ہو جائیں اور میں نے تمہارے اسلام پر بھروسہ اور اعتماد کیا، اے انصار کی جماعت کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنے ساتھ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے کر لوٹو؟!

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر ہجرت دینی امور میں سے نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا اور لوگ ایک گھاٹی اور راستہ پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی اور راستہ پر چلیں تو میں انصار کی گھاٹی اور راستہ پر چلوں گا، اے اللہ انصار اور انصار کی اولاد اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے انصار پر بہت گہرا اثر ہوا اور وہ رونے لگے اور یہ کہنے لگے: ہم حصہ اور نصیب کے اعتبار سے اللہ کے رسول پر راضی ہیں۔

مالک بن عوف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا گیا

tooba-e-library

چنانچہ وہ اسلام لانے کے لئے طائف والوں کی نظر سے چھپتا چھپاتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اہل وعیال اور اس کا مال اس کو واپس کر دیا اور وعدہ کے مطابق اس کو سو اونٹ بھی دے دئے۔

جعرانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے اور جب عمرہ کر چکے تو مکہ پر حضرت عتاب بن اسید کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اور قرآن کریم کی تعلیم اور دین کے مسائل سکھانے کے لئے ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل کو بھی خلیفہ بنا دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ فتح مکہ کے انعام پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے اور غزوہ حنین میں پسپائی اور خوف کے بعد اللہ نے ان کو جو ثابت قدمی اور مال غنیمت وغیرہ عطا کیا اس پر اس کی حمد بیان کر رہے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات بھی نازل فرما دیں:۔

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ	اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت
مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ	سے میدانوں میں اور حنین کے دن
حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ	جب تم اپنی کثرت پر خوش ہوئے

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۝

(التوبہ - ۲۵ و ۲۶)

پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی، پھر ہٹ گئے تم پیٹھ پھیر کر، پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور ایمان والوں پر تسکین اتاری اور فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی۔

* * *

۲۳

غزوہ تبوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازدیا تو آپ نہایت مطمئن اور خوشی کی حالت میں مدینہ منورہ واپس لوٹے۔ فتح مکہ میں اسلام کے لئے بڑی بھلائی اور مسلمانوں کے لئے فتح مبین تھی۔ اس لئے کہ فتح مکہ کا صرف یہ اثر نہیں تھا کہ مکہ مکرمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اثر آ گیا تھا۔ یا یہ کہ بیت اللہ کو مسلمانوں کے حج کے لئے کھول دیا گیا تھا، یا یہ کہ وہ قریش جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت سے مخالفت اور دشمنی اور جنگ کی تھی جب سے آپ نبی بنائے گئے تھے اور اب وہ قریش آپ کے فرمانبردار ہو گئے تھے اور آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے تھے۔

بلکہ اس سب کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ مکہ مکرمہ والوں کے آپ کے سامنے جھکنے اور بیت اللہ کے بتوں سے پاک صاف ہونے اور قریش کے مسلمان ہونے کا ایک وہ اثر بھی تھا جو ہر اس عرب کے لئے ظاہر تھا جو بیت اللہ کا حج کرتا ہو اور جزیرہ عربیہ میں مکہ کی حیثیت اور

عربوں میں قریش کے درجے سے باخبر ہو اس کے لئے اس سب سے زیادہ ایک اور فائدہ بھی تھا اور وہ یہ کہ مکہ کی فتح اور مسلمانوں کے حج کے لئے بیت اللہ کے کھلنے اور قریش کے اسلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پھیلنے اور منتشر ہونے اور اللہ کے اس دین کو جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا تھا اس کو باقی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی ضمانت مل گئی تھی۔

اس لئے فتح مکہ کے بعد عرب قبائل نے جلد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور اسلام قبول کر لیا اور اکثر قبیلہ والے خوشی خوشی اپنی مرضی سے آپ کے پاس اسلام قبول کرنے آگئے۔

فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے افراد اور مختلف وفود آئے اور ان لوگوں میں سے جو آپ کے پاس اپنی اطاعت کے اظہار اور اسلام کا اعلان کرنے آگئے تھے

کعب بن زہیر بھی تھے جو اپنے اشعار کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کر کے آپ کو ایذاء پہنچاتے تھے۔ ہوا یہ تھا کہ ان کے بھائی بجیر بن زہیر نے ان کو پیغام بھیجا اور یہ بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے لوگوں سے جو آپ کو ایذاء پہنچاتے اور آپ کی برائی کرتے تھے کس قدر ناراض ہیں اور آپ نے کس طرح ان کے قتل کا حکم دیا تھا اور ان میں کی اکثریت جب ایمان لے آئی اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تو آپ نے اکثر کو معاف

فرما دیا اور بجیر نے اپنے بھائی سے یہ درخواست کی کہ وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس توبہ و استغفار کے لیے آ جائے یا یہ کہ کسی گمنام گوشے میں چلا جائے تاکہ اپنے آپ کو اسلام کی اس گرفت سے بچا سکے جو قریب ہے کہ تمام جزیرہ عربیہ کو اپنے قابو میں لے لے۔

بجیر نے اپنے بھائی کعب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر مسلمان ہونے کا جو مشورہ دیا تھا اس کا کعب کے دل پر اثر ہوا اور اس نے جلد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت چھوڑ دی اور آپ کے سامنے مسلمان ہونے کے لئے مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

کعب مدینہ منورہ میں اپنے ایک جاننے والے کے گھر مہمان بنا۔ جب صبح ہوئی تو وہ خود اور وہ صاحب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کعب آگے بڑھے اور آپ کے سامنے ہیئت بدل کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول، کعب بن زہیر توبہ کرتا ہوا مسلمان ہو کر آیا ہے تاکہ آپ سے امان طلب کرے اس لئے اگر میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں تو کیا آپ اس کی توبہ و معافی قبول کر لیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، کعب نے کہا: اے اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں اور پھر آپ کے سامنے اپنا وہ مشہور

قصیدہ پڑھا جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:۔

بَانَت سُعَادُ فَقَلبِی الیَومَ مَتبُولُ   مُتَیَّمٌ اِثرَھَا لَم یُفدَ مَکبُولُ

اور پھر کعب اسلام لے آئے اور آپ نے انہیں معاف کر دیا۔

جو وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے ان میں سے طئی کا وفد بھی تھا جن کا سردار ایک شخص تھا جس کا نام زید الخیل تھا جو نہایت فضل وکمال والا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ تک فرمایا ہے۔ میرے سامنے عرب کے جس شخص کی بھی منقبت اور فضیلت بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس کو اس سے کمتر ہی پایا سوائے زید الخیل کے اس لئے کہ ان میں جو کمالات ہیں وہ سب کے سب نہ بیان کئے گئے اور نہ مجھ تک پہنچائے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیل کا نام تبدیل کر کے زید الخیر کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت علی کو طئی کے بت کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں کی آمد کی اطلاع عدی بن حاتم طائی کو مل گئی جو اپنی قوم میں بڑی شان وشوکت وحیثیت کا مالک تھا اور عیسائی تھا اور مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ وہ اپنے اہل وعیال اور مال کو لے کر جلد ہی شام کی طرف نکل گیا تاکہ مسلمانوں کے اس کے سرزمین پر قدم رکھنے سے

پہلے وہ اس علاقے کو چھوڑ چکا ہو۔

لیکن اس کی ایک بہن جس کا نام سفانہ تھا وہ پیچھے رہ گئی اور اس کے ساتھ نہ گئی اور وہ ان قیدیوں میں گرفتار ہو گئی جنہیں مسلمانوں نے حملہ کرنے اور طئی کے بت توڑنے کے بعد گرفتار کیا تھا اور مسلمان مالِ غنیمت لے کر مدینہ منورہ لوٹ گئے اور عدی کی بہن سفانہ کو مسجد کے قریب اس جگہ بند کر دیا گیا جہاں قیدی عورتوں کو اس وقت تک رکھا جاتا تھا جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہ ہو جائے یا انہیں تقسیم نہ کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو سفانہ نے آپ کو قسم دی کہ اس کو آزاد کر دیں اور وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول: میرے والد ہلاک ہو گئے (یعنی اس کے والد حاتم بن عدی جو عربوں میں جود و کرم اور سخاوت میں مشہور تھے) اور وافد (آنے والے) غائب ہو گئے اس لئے آپ ہم پر احسان فرمائیے۔ اللہ تعالٰی آپ پر احسان کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس آنے والا کون ہے؟

اس نے جواب دیا: عدی بن حاتم، آپ نے فرمایا: وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگنے والا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے اور اس کی درخواست منظور نہ کی۔ سفانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار آزاد کرنے کا سوال کیا لیکن آپ نے ہمیشہ اعراض

فرمایا حتیٰ کہ قریب تھا کہ سفانہ آپ کو راضی کرنے اور آپ سے معافی حاصل کرنے سے بالکل مایوس ہو جائے لیکن سفانہ نے پھر درخواست کی اور آپ سے پھر گذارش کی اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی اور اسے اس کی فرمائش اور امید سے زیادہ مل گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما دیا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس کو اتنا مال دے دیا جس سے وہ اپنے بھائی کے پاس شام تک نہایت اعزاز و اکرام سے پہنچ جائے۔ سفانہ نے وہاں پہنچ کر اپنے بھائی عدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ نے جو اس کا اکرام کیا تھا اس کا تذکرہ کیا جس کا اس پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اور ان دنوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور زکاۃ وصول کرنے والے جزیرۂ عرب میں پھر رہے تھے ان میں سے ہر ایک اپنے مفوضہ کام میں مشغول تھا۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو فتح مکہ کے بعد اس عشر کو وصول کر رہے تھے جسے آپ نے مالداروں پر مقرر کیا تھا تاکہ فقراء کو دیا جا سکے اور اب چونکہ بیت اللہ اور اس سے متعلق دیگر چیزیں مسلمانوں کی زیر ادارت آ گئی تھیں اس لئے مسلمانوں کے اخراجات بڑھ گئے تھے۔

ان میں سے بعض وہ تھے جو ان قبائل سے جزیہ وصول کیا کرتے تھے

جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ________ اور ان میں سے بعض وہ تھے جو اللہ کے دین کی دعوت دیتے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اکثر قاصدوں کا استقبال ہی کیا گیا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ان کو ناپسندیدہ طریقے سے واپس بھی کیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص جلندی کے بیٹے جیفر اور عمرو کے پاس گئے جو عمان کے امیر تھے اور صدقات کو اغنیاء سے وصول کرکے فقراء پر تقسیم کر دیا، اور شہریوں سے (جن کی اکثریت اپنے سابقہ دین پر برقرار تھی ____) جزیہ وصول کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس ہو گئے۔

زکاۃ اور جزیہ جمع کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزاعہ اور بنو تمیم کے پاس گئے تو خزاعہ والوں نے اس قاصد کے سامنے اپنے مال کا بڑا حصہ اکٹھا کر دیا تاکہ وہ اس میں سے جتنا چاہے لے لے لیکن بنو تمیم نے اپنا مال ظاہر کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو ڈرانے کی خاطر تلواریں لے کر آ گئے۔ چنانچہ وہ مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم کی اس حرکت پر ان کے جنگ کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت بھیج دی جس کے سردار عیینہ بن حصن تھے۔

tooba-elibrary

اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیینہ اور ان کے ساتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو تمیم کے کچھ قیدیوں اور کچھ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔

بنو تمیم نے اپنا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ان قیدیوں کے بارے میں گفتگو کے لئے بھیجا جنہیں مسلمان گرفتار کر کے قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ چنانچہ جب وہ لوگ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں پہنچے تو حجروں کے پیچھے سے ہی آپ کو اس طرح پکارنے لگے جس سے آپ کو تکلیف پہنچی، جب آپ باہر تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے بات کرنے کے لئے ایک فصیح و بلیغ آدمی کو منتخب کیا:

عطارد بن حاجب نامی ان کے خطیب نے گفتگو شروع کی اور اپنی قوم کی نسب پر فخر کیا اور ان کے مناقب بیان کئے اور فضل و کمال کو ظاہر کیا اور یہ چیلنج کیا کہ کون ایسا عرب ہے جو ان سے سبقت لے جائے اور ان کے درجے کو پہنچ سکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو اشارہ کیا (جو نہایت بلند آواز اور مسلمانوں میں خطابت پر سب سے زیادہ عبور رکھنے والے تھے) کہ وہ بنو تمیم کے خطیب کو جواب دیں۔

حضرت ثابت کھڑے ہوئے اور فی البدیہ ایسا کلام پیش کیا جس کی عبارت نہایت فصیح اور مفہوم نہایت بلیغ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس میں موجود مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی فصاحت

tobaa-elibrary

وبلاغت سے بنو تمیم نہایت متعجب ہوئے لیکن انہوں نے یہ ناپسند کیا کہ فصاحت وبلاغت میں سبقت کا شرف وقرآن کے علاوہ کسی اور کو حاصل ہو اس لئے انہوں نے اپنے شاعر زبرقان بن بدر کو آگے کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے ! ہمارے شاعروں کو اجازت دے دیجئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی تو زبرقان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی بڑائی بیان کرنے لگا اور ان کے حسب ونسب پر فخر کے سلسلہ میں اس نے اشعار پڑھے جب وہ شعر کہہ چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے شاعر حضرت حسان بن ثابت سے اس کا جواب دینے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ حضرت حسان کھڑے ہوئے اور نہایت شاندار اور ایسے عمدہ شعر کہے جن میں مسلمانوں کے کارناموں پر فخر کیا گیا تھا اور ان کی عظمت کو بیان کیا گیا تھا۔

مجلس برخاست ہوئی تو مسلمان نہایت خوشی وسرور میں تھے اس لئے کہ بنو تمیم کے جواب میں حضرت ثابت وحسان نے نہایت عمدہ کارنامہ انجام دیا تھا اور بنو تمیم ایک دوسرے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے۔

ان صاحب کی غیب سے تائید کی جاتی ہے اور یہ مؤید ہیں اور ان کے لئے اوپر سے کلام لایا جاتا ہے لہٰذا ان کا خطیب ہمارے خطیب سے

بڑا خطیب ہے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر ہے اور وہ ہم سے زیادہ عقلمند و بردبار ہیں اس لئے ان کے ہاتھ پر اسلام لے آؤ۔

اور اس طرح سے ان کے وہ افراد بھی اسلام لے آئے جو پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں اور عورتوں کو واپس کر دیا اور ان سب کو عمدہ و اعلیٰ تحفہ و انعام دیا اور پھر جب آپ نے ان سے پوچھا کہ تم میں کوئی ایسا آدمی رہ گیا ہے جسے ہم نے انعام نہ دیا ہو؟ تو انہوں نے کہا قافلہ میں ایک چھوٹا بچہ ہے آپ نے فرمایا: اسے بھی بھیج دو اسے بھی انعام دے دیں گے۔

انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول وہ تو غلام ہے، اس میں کوئی قابل شرف بات نہیں ہے آپ نے فرمایا: وہ ہمارے پاس آنے والوں میں سے ایک ہے اور اس کا حق ہے چنانچہ انہوں نے اس کو بھی آپ کے پاس بھیج دیا، اور آپ نے اسے بھی انعام دیا اور پھر سب کے سب اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ وہ اپنی جان اور مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے لئے پیش کر دے۔

اور اس کے علاوہ دیگر وہ واقعات جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یہ اس بات کی ایک مثال تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بعض عرب قبائل میں دعوت دین کی قبولیت کی استعداد اور اس کے

فرائض کی پیروی میں ان کو مستعد پاتے تھے جیسے کہ بعض قبائل کی طرف سے خشونت سختی اور برُے سلوک کو بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔

ان اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جزیرۂ عرب کی شمالی حدود جہاں شام کے شہر واقع تھے جن پر رومیوں کی بادشاہت تھی ان کی حفاظت اور ان کے محفوظ بنانے پر غور و فکر کرتے رہتے تھے اور آپ کو یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ مسلمانوں کو ان جماعتوں کے مقابلہ پر ایسا طاقتور بنا دیا جائے کہ کوئی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھ سکے اور کسی کے دل میں ان پر غلبہ حاصل کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کا خیال نہ آئے۔

اسی لئے جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو یہ خبر پہنچی کہ رومی جزیرۂ عرب کی حدود پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان سے اور مسلمانوں سے غزوۂ موتہ کا بدلہ لے لیں اور اس کی کسر نکال لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی جزیرۂ عرب کے طول و عرض میں یہ اعلان کر دیا کہ فوری طور سے لڑنے والوں کو جمع کیا جائے اور جو بھی لڑنے کی طاقت رکھتا ہو وہ تیاری کرے تاکہ رومیوں سے جنگ کرنے اور ان کو ان کے دائرہ میں محدود رکھنے کا انتظام کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عادت اس جہت کو مخفی رکھا جہاں جانا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ خلاف عادت اخفاء

سے جو کام لیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جانب مسلمانوں کو جنگ کے لئے لے جانا تھا وہ دور تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا جس کی وجہ سے لشکر کو اچھی طرح سے تیار کرنا اور اس کی تیاری کی پوری دیکھ بھال کرنا ضروری تھا۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالدار مسلمانوں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ذاتی مال سے لشکر کی تیاری میں حصہ لیں۔ چنانچہ اکثریت نے اس پیغام پر لبیک کہا اور اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق دل کھول کر اس کام کے لئے پیسہ دیا۔ حتیٰ کہ بعض حضرات نے تو اتنی سخاوت دکھائی کہ سب مال لے آئے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا تمام مال لے آئے، آپ نے جتنا اس میں سے لینا تھا لے لیا اور باقی واپس کر دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے آئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار پیش کئے جو اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بہت بڑی چیز اور گرانقدر رقم تھی۔

مخلص مسلمانوں کے مالداروں نے لشکر کی تیاری میں اس طرح سے حصہ لیا تھا۔ لیکن متوسط درجہ کے مسلمانوں نے خود اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کیا اور زادِ سفر کا بندوبست کیا بلکہ بعض نے اس سے بھی زیادہ یہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹ کو ساز و سامان سے لیس کر کے پیش کر دیا تا کہ آپ اس پر ایک یا دو آدمیوں کو

باری باری سوار کرائیں۔

لیکن جو مسلمان خستہ حال تھے اور خود اپنے لئے ساز و سامان اکٹھا نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنی مکمل تیاری کرنے پر قادر تھے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے اور سامان سفر کی درخواست کی۔ چنانچہ جن کو آپ سامان سفر دے سکے دے دیا اور جن کے لئے بندوبست نہ کر سکے اس سے معذرت کر دی اور وہ نہایت افسوس و غم میں اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس صدمہ کی وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے کہ انہیں اللہ کے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کو نہیں ملے گا وہ اتنا روئے کہ ان کا نام ہی بکائین (رونے والے) پڑ گیا۔

مخلص مؤمنوں کی شان تو یہ تھی کہ انہوں نے اس طرح سے تیاری کی ان کے برخلاف جو منافق تھے یا جن کے دلوں میں بیماری لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس سخت گرمی اور لو کے زمانے میں نکلنے کو برا سمجھا اور اس سے اعراض کیا اور اس کو ناپسند کیا کہ کھیتیاں پک چکی ہیں ان کو چھوڑ کر کس طرح جایا جائے، باغات کے پھل تیار ہیں ان کو کس طرح چھوڑ دیں اور پھر حدود شام کی مسافت کو اس سخت گرمی کے زمانہ میں طے کرنا اور راستہ میں آنے والے گرم تپتے ہوئے ریت کو دوپہر میں عبور کرنا بڑے دل گردہ کی بات ہے۔

نفاق میں بعض اتنے آگے بڑھ گئے کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے سے یہ کہہ کر روکنے لگے کہ "اس سخت گرمی میں نہ نکلو" اور ان میں سے بہت سے آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے لشکر کے ساتھ نہ جانے کی اجازت مانگی اور اس سلسلہ میں مختلف حیلے، بہانے اور عذر پیش کئے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہاں منافقوں کی ایک جماعت لوگوں کو جنگ پہ جانے سے رکنے پر ابھار رہی ہے اور اس غرض کے لئے انہوں نے سویلم نامی یہودی کے مکان کو منتخب کیا ہے جہاں اکٹھا ہو کر یہ لوگ اپنے پروگرام بناتے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی تدبیریں سوچتے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کو بھیجا تاکہ اس کے گھر کو جلا دیا جائے لہٰذا ان حضرات نے ایسا ہی کیا اور یہ لوگ آگ سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگ نکلے اور ان میں سے ایک شخص نے گھر کی چھت سے چھلانگ لگا دی جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس طرح سے یہ سزا اور یہ لوگ دوسرے منافقوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئے۔

عرب کی جماعتیں اور مختلف قبیلوں کے لوگ آگئے اور تمام مجاہدین مدینہ منورہ کے باہر اکٹھا ہو گئے۔ حضرت ابوبکر ان کے امیر تھے۔ جب

tooba-elibrary

لشکر کی تیاری مکمل ہوگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے انتظامات وغیرہ سے فارغ ہوگئے اور ان پر حضرت محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمادیا اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات کے لئے حضرت علی کو مقرر فرمادیا تو آپ حدود شام کی جانب لشکر کی قیادت کے لئے تشریف لائے تاکہ رومیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ جنگ کے لئے نکلنے والے مسلمان مجاہدوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

واقعی یہ ایک بڑا لشکر تھا جس پر اگر مسلمان فخر کریں تو واقعی یہ لشکر اس لائق تھا، لشکر کی اتنی بڑی تعداد اس کے باوجود تھی کہ بہت سے حضرات پیچھے رہ گئے تھے اور بہت سے منافقین نے ساتھ جانے سے معذرت کردی تھی۔

یہ عظیم الشان ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر روانہ ہوا اور وہ ایسے صحراء کو چیرتا ہوا جارہا تھا جس کے کنکروں سے قریب تھا کہ آگ نکلنے لگے اور اس کی ریت سے شعلہ بھڑکنے لگیں، لیکن مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو گرمی سے بچنے کے لئے پیچھے رہ گئے تھے اور سایہ دار درختوں کے سائے اور بہتے ہوئے پانی اور عمدہ و بہترین فضا سے لطف اندوز ہو رہے تھے، لیکن آپ بتلائیے کہ ان لوگوں کا شعور ایسی صورت میں کیا ہوگا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی گرمی اور دوپہر میں سفر کر

رہے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی اکثریت اس بات سے خوش تھی کہ وہ پیچھے رہ گئے اور اپنے باغات کھیتوں اور گھروں میں موجود رہے، اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نہ نکلنے کا صدمہ اور اس پر ندامت تھی۔

حضرت خیثمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اپنے باغ میں گئے تو دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے وہاں اپنے اپنے چھپر کے نیچے پانی کا چھڑکاؤ کر رکھا ہے اور ان کی خاطر وہاں پانی ٹھنڈا کر کے رکھا ہے اور کھانا تیار کیا ہوا ہے جب انہوں نے ان عورتوں کی اس کارگیری کو دیکھا تو کہا:

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دھوپ گرمی اور ہواؤں میں سفر کر رہے ہیں اور ابو خیثمہ ٹھنڈی چھاؤں تیار کھانے اور خوبصورت عورتوں اور اپنے مال و دولت کے پاس بیٹھا ہوا ہے یہ تو انصاف نہیں ہے تم دونوں میرے لئے زاد راہ تیار کر دو تاکہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں۔

ان کی دونوں بیویوں نے ان کے لئے زاد راہ تیار کیا اسے لے کر اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور نہایت تیزی سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ لشکر کے ساتھ مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ سے کسی کے

بارے میں دریافت کرتے اور وہ صاحب پیچھے رہنے والوں میں سے ہوتے تو آپ فرماتے تھے: اگر ان میں خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ساتھ ملا دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے بعد حضرت ابوخیثمہ کے علاوہ اور بھی کئی آدمی پیچھے سے جاکر آپ کے لشکر میں شریک ہو گئے جن میں حضرت ابوذر غفاری بھی تھے جو تامل تطول یا سستی یا نفاق کی وجہ سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ان کے پیچھے رہنے کا سبب یہ تھا کہ ان کا اونٹ چلنے سے عاجز آگیا تھا جس کی وجہ سے یہ اونٹ سے اتر کر لشکر کے تعاقب میں پیدل چل پڑے تھے اور وہ مسافت انہوں نے پیدل چل کر قطع کی تھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو آتے دیکھا تو اس وقت آپ کا لشکر ایک منزل پر ٹھہرا ہوا تھا۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا: خوش آمدید اے ابوذر! تم کس وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے؟ حضرت ابوذر نے واقعہ بتلایا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر میرے اہل وعیال میں سے تمہارا پیچھے رہ جانا مجھ پر سب سے زیادہ شاق تھا، اے ابوذر اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچنے تک تمہارے ہر قدم کے بدلے میں ایک گناہ معاف کر دیا۔

تنگی وعسرت کا یہ لشکر چلتا رہا، اس کو تنگی کا لشکر اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی تیاری میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی اور اس کو مسلح کرنے میں بہت

تنگی برداشت کرنا پڑی تھی) یہاں تک کہ مقام حجر تک پہنچ گیا جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے مکانات کے نشانات تھے جو کہ چٹانوں میں بنائے گئے تھے، یہ وہ قوم تھی جس نے اپنے نبی کی نافرمانی کی تھی تو اللہ تعالٰے نے ان پر بجلی گرا دی اور ان کو ہلاک کر دیا۔

وہاں موجود کنوئیں پر لوگ اتر گئے اور غسل کرنے اور اپنے اونٹوں کو سیراب کرنے لگے اور کھانا پکانے اور آٹا گوندھنے کی تیاری شروع کر دی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کنوئیں کا پانی مت پیو نہ اس سے نماز کے لئے وضو کرو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھ چکے ہو اس کو اونٹوں کو کھلا دو اس پانی سے تیار کی ہوئی کوئی چیز استعمال نہ کرو۔

لہٰذا لوگوں نے اس کنوئیں کے پانی سے وضو کرنے سے احتراز کیا اور جو برتن اس پانی سے بھرے تھے وہ خالی کر لئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: رات کو تم میں سے کوئی اکیلا نہ نکلے اپنے ساتھ کسی ساتھی کو لے کر نکلنا۔

لشکر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورہ پر عمل کیا اور وہ آفات سے محفوظ رہے لیکن دو آدمیوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان میں سے ایک آدمی کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے باہر نکلا تو اسے آندھی نے ریت میں دفن کر دیا اور دوسرے آدمی کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ

tohfa-e-librar

اس کی تلاش میں نکلا تھا کہ ہوائیں اسے اڑا کر لے گئیں۔

صبح ہوئی اور لشکر کوچ کر گیا۔ لوگوں کو پینے اور ضرورت کے پورا کرنے کے لئے پانی کی ضرورت تھی لیکن پانی موجود نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ سے ہمارے لئے دعا فرما دیجئے۔

اللہ ان پر بہت مہربان تھا۔ چنانچہ ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ بادل ان کے اوپر جمع ہو رہا ہے اور پھر خوب موسلادھار بارش برسی جس کی وجہ سے زمین تالاب بن گئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے خود بھی سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنی ضروریات بھی پوری کر لیں اور اپنے پاس موجود برتن بھر لئے اور خوشی خوشی ایک دوسرے سے کہنے لگے: یہ اللہ کا معجزہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔

لشکر میں موجود منافقوں (جو لشکر کے ساتھ منافقت اور مال غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے گئے تھے) میں سے ایک منافق نے کہا: یہ تو گرم بادل ہے۔

لشکر میں جو منافق موجود تھے انہوں نے اپنی ریاکاری اور منافقت کو نہ چھوڑا اور لوگوں کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش سے باز نہ آئے اور ان کی ہمتوں کو پست کرنے اور ان کی باطنی روح کو کمزور کرنے کے لئے ان

سے کہتے: کیا تم بنو الاصفر یعنی رومیوں کے بہادروں سے جنگ کو ایسی جنگ سمجھتے ہو جیسے عرب کی ایک دوسرے سے جنگ ہوتی ہے، بخدا ہمیں تو یہ نظر آ رہا ہے کہ کل آپ لوگ رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

مومنوں اور منافقوں کے درمیان جھگڑا سخت ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دور بیٹھے تھے جہاں تک ان کی باتوں کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی، اچانک آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے عمار، ان لوگوں کو پکڑ لو اس لئے کہ انہوں نے گناہ کی بات کہی ہے۔

حضرت عمار ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو وحی نازل فرمائی تھی اس کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معذرت کرنے یہ کہتے ہوئے آئے: اے اللہ کے رسول ہم تو یونہی باتیں اور مذاق کر رہے تھے۔

منافقین کی طرف سے ایک اور واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی اور مسلمانوں کی ایک جماعت اسے تلاش کرنے نکلی لیکن وہ ان کو نہ مل سکی تو عمارة بن حزم ________ کے ساتھ بیٹھنے والے شخص زید بن اللصیت نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تمہیں آسمان کے احکامات پہنچاتے ہیں۔

حالانکہ ان کو اپنی اونٹنی کا علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے!!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جن میں حضرت عمارۃ بن حزم بھی بیٹھے تھے چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا: ایک شخص نے فلاں فلاں بات کہی ہے (اور زید نے اونٹنی کے بارے میں جو بات کہی تھی آپ نے وہ ذکر کر دی) اور بخدا مجھے تو اسی بات کا علم ہوتا ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں اور یہ بات مجھے اللہ ہی نے بتلائی ہے۔ پھر آپ نے ان کو وہ جگہ بتلا دی جہاں اونٹنی موجود تھی۔ یہ حضرات وہاں گئے اور اونٹنی وہاں مل گئی اور یہ اس کو لے کر آ گئے۔

حضرت عمارۃ بن حزم اپنے کجاوے کے پاس گئے اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ اور اللہ نے آپ کو اونٹنی کی جگہ کے بارے میں جو بتلایا تھا اس کا تذکرہ کیا، تو سامعین میں سے ایک صاحب نے کہا: بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بتلایا ہے وہ بات زید ہی نے کہی تھی۔

چنانچہ حضرت عمارہ زید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو مارنے اور اس کی گردن پہ مکے برسانے لگے اور یہ فرمانے لگے: اے اللہ کے بندو! میرے پاس آجاؤ، عجیب بات ہے کہ میرے کجاوے میں ایک شیطان موجود ہے اور مجھے اس کا علم بھی نہیں ہے، اے اللہ کے دشمن تو میرے کجاوے

سے نکل جا تو میرے ساتھ نہیں چل سکتا۔

اور مسلمانوں کا لشکر جزیرہ عرب اور شام کی سرحد پہ واقع تبوک نامی جگہ پر پہنچ گیا جو رومیوں کے ماتحت تھا وہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ رومی شہر کے اندر اپنے قلعوں میں بند اور محفوظ ہو گئے ہیں اور ان سے آمنے سامنے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جمع کیا تاکہ ان سے مشورہ کر لیں کہ آگے بڑھنا اور شام کے ان شہروں میں داخل ہونا چاہیئے جہاں رومیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو قلعہ بند کیا ہوا ہے یا نہیں، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے اللہ کے رسول اگر آپ کو آگے چلنے کا حکم دیا گیا ہے تو چلئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مجھے چلنے کا حکم مل جاتا تو میں تم سے اس بارے میں مشورہ ہی نہ کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے آپس میں اس بارے میں مشورہ اور بحث ومباحثہ کیا اور یہ طے کیا کہ لشکر روم کے شہروں میں داخل نہ ہو اور مزید آگے نہ بڑھے اور اس غزوہ میں رومیوں پر مسلمانوں کا اتنا ڈر اور خوف پیدا ہو جانا اور ان کا اتنا رعب ہونا ہی کافی ہے کہ وہ شہر کے اندر قلعوں میں بند ہونے پر مجبور ہو گئے اور [illegible] اتنا ہی کافی ہے کہ رومیوں اور دوسرے ممالک اور ان سے متصل قبیلے والوں نے یہ جان لیا کہ مسلمانوں کو کتنی عظمت اور کتنی طاقت د

قوت حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے اس عظیم الشان لشکر کو سرحد پر اسی لئے ٹھہرے رہے اور کئی دن گذر گئے لیکن وہاں اس قسم کا کوئی اشارہ نہ مل سکا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو آپ سے جنگ کرنے یا آپ سے تعرض کرنے کا خواہشمند ہے تو کیا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۂ عرب کی سرحد کے بارے مطمئن و بے خطر تھے اور آپ کو اس پر رومیوں کی چڑھائی کا کوئی خطرہ نہیں تھا؟!

جی نہیں بات یہ نہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری صورتحال پر اعتماد نہیں کیا کہ رومی آپ سے ڈر گئے ہیں اور مسلمانوں کو کچھ سمجھنے لگے ہیں، بلکہ آپ نے سرحدوں کی حفاظت کو اپنے سامنے رکھا اور اس کی خاطر آپ نے ان سرحدوں کے اطراف میں واقع ملکوں اور حکومتوں سے معاہدے کئے۔

چنانچہ آپ نے ایلہ کے حاکم یوحنا بن رُؤبہ (جو کہ عیسائی تھا) کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ یا تو وہ مسلمانوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، چنانچہ یوحنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں آیا کہ اس کے سینہ پر سونے کی صلیب لگی ہوئی تھی اور اس نے اپنی فرمانبرداری واطاعت کا اعلان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جزیہ مقرر کر دیا جس کی مقدار تین سو دینار تھی اور آپ نے اسے عہد نامہ لکھ کر

دے دیا جس میں آپ نے اہل ایلہ اور بر و بحر میں جو ان کے ساتھ تھے ان کے لئے امان دینے کا اعلان تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا عہد نامہ اور امان اہل جربا، اور اہل اذرح کو بھی دیا تھا اور ان کے لئے جتنا جزیہ مناسب سمجھا وہ ان پر مقرر فرما دیا۔

دومہ کے عیسائی امیر و حاکم اکیدر بن عبدالملک کندی کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مطمئن تھے۔ چنانچہ اس سے جنگ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ پانچ سو شہید دں کی ایک جماعت بھیجی اور اسے یہ وصیت کی کہ وہ اس سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کے لشکر سے مل جائیں۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک میں لشکر کے ٹھہرانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ اس لئے کہ لشکر نہایت بڑا تھا جس کے لئے غذا اور دیگر ضروریات کی حاجت تھی اور واپسی کی مسافت اتنی طویل اور پرمشقت تھی جس کے لئے ان کے پاس موجودہ زادراہ اور کھانے پینے کی چیزیں بمشکل کافی ہوں۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا حکم دے دیا اور لشکر نے اپنے کجاوے کس لئے اور مدینہ کی جانب واپس ہو لیا اور بہت سے صحابہ کرام

اس نکلنے میں جو ان کو خصوصیات اور فوائد اور معنوی منافع حاصل ہوئے ان پر ایمان رکھتے تھے اور بہت سے لشکر کے ساتھی ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہے تھے کہ:

اس سخت ترین گرمی میں اپنی کھیتی باڑی کو جو کٹنے اور باغات جن کے پھل توڑے جانے کے قریب تھے انہیں ہم کیوں چھوڑ کر نکلے تھے اور اب بغیر کسی فائدہ اور مالِ غنیمت حاصل کئے بلا جنگ کئے واپس کیوں ہو رہے ہیں؟!

منافقوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں بنانے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے کسی حکم کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور بعضے تو اتنے آگے بڑھ گئے کہ وہ یہ سوچنے لگے کہ وہ آپ کو ایذا تک پہنچانے پر قادر ہیں۔

جیشِ عسرت کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی طرف سے اس قسم کی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی کہ آپ منافقوں کی درپردہ سازشوں پر قابو پالیں اور نہ آپ کے لئے یہ کوئی مسئلہ تھا کہ آپ اس کی تلافی کرلیں اور ان کی سازش و مکر کو ختم کر ڈالیں اور یہ کہ ان مفسد منافقوں پر کاری ضرب لگائیں۔

منافقوں پر سختی سے گرفت اور ان کو تنبیہ و زجر اور ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی برتنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عملی قدم اٹھایا

وہ یہ تھا کہ منافقوں کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر ذی اوان نامی جگہ پر ایک مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے مدینہ منورہ سے نکلنے اور تبوک جانے سے قبل وہ آپ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ آپ اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

ہم نے بیماروں اور حاجت مندوں اور بارش اور ٹھنڈی رات کی وجہ سے ایک مسجد بنائی ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ وہاں تشریف لے آئیں اور نماز پڑھ لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپسی تک انتظار کرنے کو کہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک سے واپس تشریف لے آئے اور آپ کو یہ صاف معلوم ہو گیا کہ یہ مسجد صرف اس غرض سے بنائی گئی ہے کہ منافق وہاں جمع ہوں اور اللہ کے کلام میں تحریف و تبدیلی اور مومنوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر سکیں تو آپ نے واپس آتے ہی اس مسجد کو ڈھانے اور جلانے کے لئے کچھ حضرات بھیج دئے۔

ان منافقین کی سرکوبی کے سلسلہ میں یہ ایک ایسی شدید ضرب تھی جو آپ نے ان کو سزا دینے کے لئے لگائی تھی اور ان کی نفوس پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ڈرنے اور کپکپانے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ واپس پہنچے تھے تو آپ ان لوگوں کا محاسبہ بھی کرنا چاہتے تھے جو بغیر کسی عذر اور معقول وجہ کے آپ کے

ساتھ جنگ کے لئے نہیں گئے تھے پیچھے رہ جانے والے لوگ آپ کے پاس آکر نہ جانے پر عذر خواہی کرنے لگے اور ایسے عذر پیش کرنے لگے جو ان کے نہ جانے کا معقول عذر بن سکیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیش کئے ہوئے عذر قبول فرمالئے اور ان سے اعراض کرلیا اور ان سے ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کے سلسلہ میں کوئی بحث نہ کی اور حقیقت حال اور باطن کو اللہ کے حوالہ کر دیا۔

پیچھے رہ جانے والے حضرات میں سے تین حضرات: کعب بن مالک، مرارۃ بن الربیع اور ہلال بن امیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرلیا کہ وہ پیچھے رہ گئے تھے اور انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ان سے اعراض کریں اور پچاس روز تک نہ ان سے بات چیت کریں اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ کریں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خوشخبری کا یہ پیغام آگیا کہ خالد بن ولید اپنے مقصود میں کامیاب ہوگئے اور وہ بغیر کسی قابل ذکر جنگ اور مسلمانوں کے شہسواروں کو مشقت و تکلیف میں ڈالے بغیر دومہ کے حاکم اکیدر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

ہوا یہ تھا کہ حضرت خالد کی اس سے مڈبھیڑ اس طرح ہوئی کہ حضرت

خالد بن ولید دومہ میں ایسی رات کو پہنچے جس میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی تو انہوں نے اکیدر کو دیکھا کہ وہ اپنے محل کے باہر اپنے بھائی حسان اور اپنے خصوصی ساتھیوں کے ساتھ نیل گائے کا شکار کر رہا ہے، حضرت خالد نے اپنے شہسواروں کے ذریعے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور اکیدر اور اس کے کچھ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور پھر حضرت خالد نے اکیدر سے یہ بات چیت کی کہ یا تو اس کے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے جائیں یا یہ کہ پہلے اسے قتل کر دیا جائے اور پھر اس کے شہر پر حملہ کر دیا جائے۔

اکیدر اور حضرت خالد کے درمیان اس بات پر صلح ہو گئی کہ اس کے شہر کے دروازے کھول دئے جائیں اور حضرت خالد کو دو ہزار اونٹ آٹھ سو بکریاں اور چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے دئے جائیں اور اکیدر حضرت خالد کے ساتھ مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے گا اور پھر کوئی فیصلہ کرے گا۔

اکیدر نے اپنے شہر والوں کو شہر کا دروازہ کھولنے کی بابت پیغام بھیجا تاکہ اس کی جان بچ جائے، چنانچہ ان لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ حضرت خالد وہاں تشریف لے گئے اور ان کے اور اس شہر کے حاکم کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مطابق ساز و سامان لے لیا۔

حضرت خالد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنانے کے لئے آدمی

<۲۴>

بھیج دیے اور پھر پیچھے پیچھے خود بھی اپنے ساتھ قیدی اور اس سازوسامان کو لیے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انعام کے طور پر دیا تھا ـــــ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام ـــــ کو دیکھ کر اہل مدینہ بہت خوش ہوئے اور دومہ کے حاکم کے جسم پر پشمین سونے کا کام کیا ہوا لباس نہایت تعجب سے دیکھ کر اس سے مزے لینے لگے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر سے اس بات پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ دیا کرے گا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔

حضرت خالد جو مالِ غنیمت لائے تھے وہ مال مسلمانوں کے لئے اس مال کے قائم مقام ہو گیا جو مسلمانوں کو غزوہ تبوک میں حاصل ہونے کی توقع تھی اور اس واقعے سے منافقوں کو یہ عبرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنی زبانوں کو لگام لگا دی اور اپنی حدود پر قائم رہنے لگے۔

اس کے بعد جلد ہی منافقوں کی طاقت کچل دی گئی اور ان کی قوت اس ستون کے گرنے سے پارہ پارہ ہو گئی جو انہیں قوت بہم پہنچاتا تھا اور سہارا دیا کرتا تھا اور وہ ستون ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ عبداللہ بن اُبی کی سازشوں اور منافقت کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کی تدفین مکمل ہونے تک آپ وہیں کھڑے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے جب عبداللہ بن ابی کی منافقت

اور آپ اور مسلمانوں کے خلاف مختلف مواقع پر اس کی سازشوں کے علم کے بعد بھی اس پر نماز جنازہ کے سلسلہ میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے:

«اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ	آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ	اگر آپ ان کے لئے ستّر بار بھی بخشش
مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ»	مانگیں تب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

(التوبہ ـ ۸۰)

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں اس کے لئے ستّر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کر لیتا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے سے تعزیت کی جو نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

پیچھے رہ جانے والے وہ تین حضرات جن سے بات چیت اور معاملات کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا دنیا باوجود اپنی وسعتوں کے ان کے لئے تنگ ہو گئی اور ان میں سے دو حضرات اپنے گھروں میں بند ہو گئے اور گھر سے باہر نہ نکلتے تھے نہ کسی کے سامنے آتے تھے اور وہ دونوں مرارة بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔

۳۰

۷۲۶

تیسرے صاحب کعب بن مالک تھے جو گھر سے نکلتے تھے بازار جاتے تھے لیکن ان سے کوئی بھی بات نہ کرتا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ ان سے منہ پھیر لیتے تھے۔ جب ان پر دنیا مکمل طور سے تنگ ہو گئی اور تمام راستے مسدود ہو گئے تو انہوں نے اپنے لئے سلع پہاڑ کے اوپر ایک خیمہ لگا لیا اور اکثر اوقات اسی میں گذارتے تھے۔

ان تینوں حضرات پر جب پچاس دن اس حالت میں گذر چکے کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ آنسو بہاتے رہے حتیٰ کہ یہ نوبت بھی آگئی کہ زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں خراب ہونے کے قریب ہو گئیں، یہ تینوں مایوسی اور افسوس کی حالت میں تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خوشخبری سنانے والے نے آکر خوشخبری سنائی۔

حضرت کعب کو جب خوشخبری سنانے والا خوشخبری دینے آیا تو وہ اس وقت سلع پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوری اپنے اوپر کے کپڑے اس خوشخبری سنانے والے کو دے دئے اور پھر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر مسجد گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے بھرپور روشن و دمکتے چہرے سے ان سے یہ کہتے ہوئے ملاقات کی:

تمہیں وہ سب سے زیادہ بہترین دن مبارک ہو جو تم پر پیدا ہونے کے بعد سے اب تک آیا ہے۔ حضرت کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

اے اللہ کے رسول کیا یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں یہ معافی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو معاف فرما دیا اور ان کو بھی جو سختی کے وقت پھسلنے اور گمراہی کے قریب پہنچ چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ اس طرح قبول فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمائیں:

((لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ
بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا
حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا
رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ)) (التوبہ ۱۱۷ و ۱۱۸)

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصا
ر پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں اس
کے بعد کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں
کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بے شک
وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان
تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا یہاں تک
کہ جب ان پر زمین تنگ ہو گئی باوجود کشادہ
ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی
جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے
مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں
بے شک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

۲۴

کمالِ تکمیل

((يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيْمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ))

((الحجرات ۔ ۱۷)

یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مطیع ہو گئے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے مطیع ہو جانے کا احسان نہ رکھو البتہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم (دعوائے ایمان میں) سچے ہو۔

اللہ تعالٰے نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان وفود اور جماعتوں کے بارے میں جو ان کے پاس آکر اسلام لا رہے تھے اور خود بخود مومن بن رہے تھے وہ لوگ جن کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے کسی کو نہیں بھیجا تھا ان کے بارے میں اللہ تعالٰے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات نازل فرمائی تھیں ان سے ایک یہ آیت بھی تھی اور یہ صورتحال اس وقت پیدا ہوئی تھی جب مسلمانوں کو جزیرۂ عربیہ میں ایسی قوت و عظمت حاصل ہو گئی تھی جسے دیکھ کر بعض قبائل یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کی بقا اور

زندگی کا دار و مدار اللہ کے دین کی پیروی اور مسلمانوں کے ساتھ مل جانے میں ہے۔

اور بعض قبیلہ والے یہ سمجھنے لگے تھے کہ دعوتِ اسلام کے پہنچے بغیر اسلام قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا خود بخود جانا یہ ان کا آپ پر کوئی احسان ہے اور اس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ: ہم آپ کے پاس خود بخود اپنے طور پر بغیر آپ کے دعوت دئے اور بلائے آگئے ہیں جو ہمارا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی تاکہ یہ ان لوگوں کا جواب بن جائے جو آپ پر اپنے ایمان لانے کا احسان جتلاتے ہیں اور ان سے کہہ دیا جائے کہ:

((لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ
يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ
لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ))

(الحجرات - ۱۷)

مجھ پر اپنے مطیع ہو جانے کا احسان نہ رکھو
البتہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس
نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی بشرطیکہ تم
(دعویٰ ایمان میں) سچے ہو۔

جو وفود آپ کے پاس آ کر اسلام قبول کر رہے تھے اگرچہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی مقصد و غرض کی خاطر یا کسی حاجت کے سلسلہ میں آئے تھے لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اللہ اور اس کے رسول پر سچے دل اور صحیح طور سے ایمان لائے تھے اور ان کے اسلام قبول کرنے میں نہ کسی قسم

کی ریاکاری تھی نہ نفاق واحسان جتلانا۔

قبیلہ ثقیف کے سرداروں میں سے ایک سردار عروہ بن مسعود ثقفی بھی تھے جو طائف میں اس وقت موجود نہ تھے۔ جب آپ نے اس کا محاصرہ کیا تھا چنانچہ جب یہ واپس آئے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تھا اور پھر آپ طائف سے اس خیال سے چلے گئے کہ کسی اور موقعہ پر اسے فتح کر لیا جائے گا تو عروہ فوری طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ گئے اور اسلام قبول کیا اور یہ درخواست کی کہ انہیں ان کی قوم کی طرف قاصد بنا کر بھیج دیا جائے تاکہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دے سکیں اور اللہ پر ایمان لانے کر ان کے لئے محبوب بنانے کی کوشش کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ ثقیف والے اپنے دین کے سلسلہ میں نہایت سخت اور متعصب اور بتوں کے گرویدہ ہیں اس لئے آپ نے ان سے کہا: اے عروہ وہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔ حضرت عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہ مجھے اپنی اولاد اور اپنی جانوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔

حضرت عروہ طائف کے لئے روانہ ہو گئے اور رات میں وہاں پہنچے اور سیدھے اپنے گھر کا رخ کیا اور لات نامی اپنے اس بت کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ کی جس کی وہ لوگ پوجا اور تعظیم کیا کرتے تھے اور اس کے ارگرد طواف کرتے تھے

ثقیف والوں نے جب یہ دیکھا تو بہت تعجب کیا اور عروہ کی اس حرکت کو بہت برا سمجھا اور اس کا سبب دریافت کرنے کے لئے ان کے پاس گئے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور ان کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دے دی تو وہ لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے اور مذہب اور عقیدہ بدلنے پر ان کو الزامات لگانے لگے اور ان کے پاس سے رخصت ہو کر آپس میں اس خطرناک صورت حال اور نازک مسئلہ پر باہمی مشورہ کرنے لگے اور اس کے سدباب کے لئے تدابیر سوچنے لگے۔

صبح ہوئی تو حضرت عروہ نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی حقانیت اور اپنے آبائی دین و مذہب کے باطل ہونے کو ضرور بیان کریں گے، چنانچہ وہ اپنے گھر کے ایک اونچے حصے پر کھڑے ہو گئے اور قوم کو پکارا اور ان کو نماز اور صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔

حضرت عروہ کی وہ قوم جو اپنے مذہب اور اپنے عقیدہ پر سختی سے عمل پیرا ہونے اور قائم رہنے اور اس کی طرف سے مدافعت میں مصروف تھی وہ باوجود عروہ کی حیثیت و منزلت کے پہچاننے اور ان کی قدردانی کے وہ نہ ان کی یہ بات سن سکی اور نہ اس پر سکوت و خاموشی اختیار کر سکی اور وہ لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے اور ان کو تکلیفیں دینے لگے اور ان میں سے ایک شخص نے ان کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا جو ٹھیک نشانے پر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

اور اس طرح سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ہاتھوں اس حالت میں شہید ہوئے کہ وہ اسلام کی دعوت دے رہے تھے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا، ان کی روح ان کے جسم سے اس حالت میں پرواز کر گئی کہ ان کی نفس مطمئن اور قلب و دل راضی تھا اور وہ اپنے اردگرد موجود اپنی قوم اور اہل وعیال سے یہ کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی عزت کی دولت عطا فرمائی ہے اور مجھے شہادت کا درجہ گھر بیٹھے دے دیا اور مجھے بھی وہی درجہ ملے گا جو ان شہداء کو نصیب ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمہارے پاس سے روانہ ہونے سے قبل شہادت پا گئے، پھر عروہ نے یہ وصیت کی کہ ان کو بھی ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے چنانچہ ان کے اہل وعیال نے انہیں ان شہداء کے ساتھ دفن کر دیا۔

کیا عروہ کے اس طرح قتل کرنے میں کوئی ایسی خاص بات یا کامیابی تھی جس نے ثقیف والوں سے اسلام کے اس اثر کو ختم کر دیا ہو جس سے وہ ڈر رہے تھے اور خوف زدہ تھے اور کیا اس قتل کے ذریعہ سے ان ثقیف والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو اپنے سے دور کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے سرداروں میں سے ایک سردار قتل کئے گئے تھے؟!

ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہ ہوا اس لئے کہ ابو ملیح بن عروہ اور ان کے

حجاز اور بھائی قارب بن الاسود کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے اور پھر چند مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ ثقیف والوں نے اپنے آپ کو ہر طرف سے اسلام میں گھرا ہوا پایا، اس لئے کہ ادھر ادھر کے قبیلے اسلام قبول کر چکے تھے اور چاروں طرف کے مسلمان مشرکین ثقیف سے جنگ کرنے کے منتظر تھے اور ہر طرف ایسے لوگ موجود تھے جو ان ثقیف والوں کا راستہ روک لیا کرتے تھے اور ان کے قافلہ والوں کے راستہ میں آڑے آجاتے تھے اس وجہ سے ثقیف والے نہ اپنی جانوں کو محفوظ پاتے تھے نہ اپنے مال و دولت کو۔

ثقیف والوں نے اس موضوع پر غور و فکر کیا اور یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے سرداروں میں سے عبد یالیل کو بھیجا جائے، عبد یالیل کو اپنی جان کا خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا بھی وہی حشر ہو جو حضرت عروہ کا اپنی قوم کے پاس واپس ہونے پر ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے ثقیف کا نمائندہ بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے انکار کر دیا مگر ایسی صورت میں جانے پر تیار ہوئے کہ ان کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی بھیجے جائیں تا کہ ان میں سے ہر شخص واپسی پر اپنی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے معاہدہ کے سلسلہ میں مطمئن کر سکے۔

عبد یالیل پانچ آدمیوں کے ہمراہ مدینے کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔

tohaa-elibrar

مدینہ منورہ کے قریب ان لوگوں کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور وہ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے قاصد اور پیغامبر بن کر آ رہے ہیں اور ان کی قوم نے انہیں اسی لئے بھیجا ہے تاکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کے سلسلے میں بات چیت کریں اور یہ لوگ آپ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کریں۔

چنانچہ حضرت مغیرہ جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تاکہ آپ کو یہ خوش کن خبر دے سکیں۔ راستہ میں حضرت مغیرہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مل گئے اور انہوں نے ان کی اس جلد بازی کا مشاہدہ کیا تو بات معلوم کی اور جلدی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے ثقیف والوں کے وفد کی آمد کی اطلاع ان کو دی، یہ سن کر حضرت ابوبکر اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت مغیرہ سے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جاؤ تاکہ یہ خوشخبری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے سکوں۔

اور حضرت ابوبکر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو ثقیف کے وفد کے آنے کی اطلاع دی اور حضرت مغیرہ ثقیف والوں کے پاس چلے گئے اور ان کو یہ بتلایا کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں تو اسلام کے مطابق کس طرح سلام کریں۔

وفد ثقیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

اس کے باوجود کہ حضرت مغیرہ ان کو اسلام کے مطابق سلام کرنے کا طریقہ بتلا چکے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ جاہلیت کی عادت کے مطابق سلام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ مسجد کے ایک کنارے پر ان کے لئے خیمے لگا دیئے جائیں اور ان کے اور آپ کے درمیان واسطہ کا کام خالد بن سعید بن عاص انجام دیں گے۔

ثقیف کے یہ قاصد ان خیموں میں ٹھہر گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تو یہ لوگ آپ کی آواز غور سے سنتے اور جب مسلمان اپنی نماز پڑھتے اور تجوید سے قرآن کریم تلاوت کرتے اور اللہ کی بڑائی وعظمت بیان کرتے تو یہ لوگ اسے سنتے تھے، خالد بن سعید ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطے کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا پیش کیا ہوا معاہدہ نامہ لاتے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جو جواب لکھواتے تھے وہ اس کو لے کر ان کے پاس چلے جاتے تھے۔

عبد یالیل اور اس کے ساتھیوں نے آپ کے ساتھ صلح اور اپنی قوم کے اسلام لانے کے لئے جو شرائط پیش کی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ تین سال تک ان کے لات نامی بت کو نہ توڑا جائے اور یہ کہ انہیں نماز کی چھوٹ

دے دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قطعی طور سے رد کر کے اس بات کے ماننے سے بالکل انکار کر دیا۔

ثقیف کے قاصدوں نے دوبارہ یہ درخواست کی کہ ان کے بت لات کو دو سال تک کے لئے چھوڑ دیا جائے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹھکرا دیا، انہوں نے پھر ایک سال کی مدت کی درخواست کی آپ نے اسے بھی نامنظور فرمایا، انہوں نے ایک ماہ کی مدت مانگی تو آپ نے اس سے بھی سختی سے انکار فرمادیا۔

ان لوگوں نے پھر یہ درخواست کی کہ انہیں نماز سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور نماز معاف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا: جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قطعی فیصلہ اور اس سختی سے انکار کو دیکھتے ہوئے اور آپ کے اس عزم مصمم کو سامنے رکھتے ہوئے ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ انہیں اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو کر وہ سب کچھ قبول کرنا پڑے گا جو تمام مسلمانوں پر لازم ہے لیکن پھر بھی انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ ان کو ان کے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ٹھیک ہے ہم تم کو یہ سہولت دے دیتے ہیں کہ تم اپنے بت خود اپنے ہاتھ سے نہ توڑو۔

عبدیالیل اور ان کے ساتھی مسلمان ہو گئے اور یہ واقعہ رمضان کا ہے۔

چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ باقی ماندہ روزے بھی رکھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی افطاری اور سحری کا سامان ان کو پہنچایا کرتے تھے اور وہ لوگ اب نہایت اطمینان سے مسلمانوں کا کھانا کھانے لگے تھے اس سے پہلے ان کے پاس جو کھانا لے جایا جاتا تھا تو وہ اسے اس وقت تک نہ کھاتے تھے جب تک حضرت خالد اس کھانے سے نہ کھا لیں اس خوف سے کہ کہیں مسلمانوں نے اس کھانے میں زہر وغیرہ نہ ملا دیا ہو۔

جب ان ثقیف والوں کے واپس جانے کا وقت قریب آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور ثقیف کے درمیان صلح نامہ لکھ کر ان کو دے دیا اور ایک نوعمر صحابی حضرت عثمان بن عاص کو ان کا امیر بنا دیا جو باوجود نوعمری کے قرآن کریم کے سیکھنے کے بہت حریص اور دین کی سمجھ بوجھ میں نہایت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔

ثقیف کے ان افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا جن کی ثقیف والوں سے رشتہ داری تھی اور وہاں ان کے رشتہ دار اور متعلقین رہا کرتے تھے تاکہ بجائے ثقیف والوں کے یہ دونوں لات نامی بت کو توڑ ڈالیں۔

عبدیالیل اور ان کے ساتھی طائف پہنچے اور قوم کے سامنے وہ صلح نامہ

tooba-e-library

پیش کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہوا تھا اور حضرت ابوسفیان و حضرت مغیرہ لات کو توڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ حضرت مغیرہ نے اس بت کو توڑنے کے لئے کدال اپنے ہاتھ میں پکڑا اور اس کو توڑنے لگے۔ ثقیف کی عورتیں یہ دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں اور وہ حسرت و افسوس سے اس منظر کو دیکھتے رہے لیکن ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ حضرت مغیرہ کو اپنے معبود و خدا بت کو توڑنے سے روک سکیں۔

اور اس طرح سے حجاز کا وہ آخری بت بھی توڑ دیا گیا جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی اور نہایت ضد عناد کے بعد بالآخر طائف والے بھی مسلمان ہو گئے جس سے اسلام کو ایک بڑی فتح نصیب ہوئی۔

وفود اور جماعتیں خوشی خوشی مسلمان ہونے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل آتی رہیں جن میں سے بعض شروع شروع میں اس لئے مسلمان ہو رہے تھے کہ انہیں اسلام کی قوت و سطوت اور دبدبہ کا ڈر تھا اور بعض ایسے تھے جو صرف اور صرف اسلام و ایمان کی خاطر آپ کے پاس آکر مسلمان ہو رہے تھے۔

اس تیز و تند سیلاب کے دوران جو قریب تھا کہ تمام جزیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ حج کا موسم آگیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو مسلمانوں کے ساتھ حج کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین

سو حجاج کرام کو لے کر بیت اللہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی جانب نکل پڑے اور اسی طرح مشرکوں کی کچھ جماعتیں اپنے قبیلوں اور گھروں سے بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہو گئیں۔

بھلا اب آپ ہی بتلائیے کہ وہ بیت اللہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں سے پاک کر دیا تھا کیا وہ اب بھی بت پرست مشرکوں کے لئے عبادت گاہ بن سکتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مشرکوں کے درمیان پہلے سے یہ معاہدہ تھا کہ جو بھی بیت اللہ کے ارادہ سے آئے گا اس کو روکا نہیں جائے گا اور اشہر حرام میں کسی کو بھی کسی سے کوئی خوف و خطرہ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ براءۃ نازل فرمائی جس میں اس بات کا بیان تھا کہ اس سال کے بعد مشرکوں سے کوئی عہد و پیمان نہیں رہے گا سوائے اس معاہدہ کے جو ان سے ایک وقت مقررہ تک کا کیا گیا ہو تو وہ معاہدہ اس وقت تک کے لئے برقرار رہے گا جب تک اس کا وقت گذر نہ جائے، یہ سورت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکر مکہ مکرمہ کے لئے جا چکے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کے پیچھے پیچھے مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ عرفات کے میدان میں جب سب لوگ اکٹھا ہوں تو وہ لوگوں کو وہ آیات پڑھ کر سنا دیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

ry.blogspot.com

نازل فرمائی تھیں جب حضرت علی حضرت ابوبکر سے ملے تو حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے پوچھا: آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر؟ تو حضرت علی نے فرمایا: نہیں بلکہ مامور ومحکوم بنا کر صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کے سامنے ان آیات کو پڑھ کر سنا دوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں۔

لوگ جب منیٰ میں مناسک حج ادا کرنے کے لئے جمع ہو گئے تو حضرت علی نے کھڑے ہو کر سورت براءۃ کی وہ آیات سنا دیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی تھیں، جن میں مشرکین سے کئے گئے تمام معاہدے ختم کر دئے گئے تھے سوائے ان معاہدوں کے جو ایک وقت مقررہ تک کے لئے تھے نیز اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک منہج اور راستہ متعین کر دیا گیا تھا اور آپ کی تعلیمات وارشادات کے مطابق اسلام کی بقاء و مضبوطی کے لئے مسلمانوں کو ہر اس شخص سے جہاد کا حکم تھا جو اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کرے یا اس پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔

حضرت علی جب ان آیات کو تلاوت کر چکے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلائی تھیں تو انہوں نے فرمایا: اے لوگو جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا اور نہ کوئی برہنہ شخص طواف کر سکے گا (اکثر مشرکوں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنا لباس اتار کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے) جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ

کیا ہوا ہو تو وہ وقت مقررہ تک برقرار رہے گا اور آج سے چار ماہ تک تمام لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ ہر قوم اپنے ملک و وطن پہنچ جائے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کے ساتھ مناسکِ حج ادا کر لئے تو وہ حضرت علی اور اپنے دیگر رفقاء اہل مدینہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور دوسرے عرب مسلمان اپنے قبیلوں کو لوٹ گئے اور تمام مشرکین بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی زبانی انہیں جو پیغام بھیجا تھا اس کے بارے میں سوچنے لگے کہ اب اس سال کے بعد وہ لوگ بیت اللہ کے قریب نہ جا سکیں گے اس لئے کہ وہ ناپاک اور نجس ہیں۔

اور یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کر لیں کہ جب تک وہ توبہ کر کے مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ نہ مسلمانوں کے قریب جائیں گے اور نہ کوئی ایسا کام کریں گے جس سے ان کے اسلام پر اثر پڑتا ہو یا عقیدہ میں گڑبڑ ہوتی ہو مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان سے جنگ کریں اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس سے ہی جنگ کرتے تھے جو آپ سے جنگ کرے اور جو آپ سے جنگ نہ کرے تو آپ بھی اس سے جنگ نہ کرتے تھے۔

مشرکین نے ایک دوسرے سے پوچھا: بتلاؤ اب جب کہ قریش بھی اسلام لے آئے تو اب تم لوگ کیا کرو گے؟!

tooba-e-library

واقعی بات بھی یہی تھی کہ وہ لوگ اب ایسی صورت میں کیا کر سکتے تھے جبکہ اہل مکہ اسلام لے آئے تھے اور ان پر مشرکوں سے جنگ کرنا اور ان کو بیت اللہ سے روکنا فرض ہو گیا تھا۔

مشرکوں نے ایک دوسرے سے پوچھا: تمام عرب اسلام لے آئے ہیں اب بتلاؤ تم کیا کرو گے؟!

بات بالکل ٹھیک تھی، اس لئے کہ تمام جزیرۂ عرب مسلمان ہو چکا تھا سوائے بعض ان قبیلوں اور جماعتوں کے جو تن تنہا نہ تو اسلام کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا مقابلہ کر سکتی تھیں اور نہ اس کے سامنے آڑے آسکتی تھیں۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا سیلاب بن گیا تھا جو نہایت تیز و تند اور کفر و شرک کی بیخ کنی کرنے والا تھا۔

مشرکوں کے وفد یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہونے لگے اور پھر اس دن کے بعد سے نہ کسی مشرک نے بیت اللہ کا حج کیا اور نہ ہی کسی برہنہ شخص نے طواف کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دین میں داخل ہونے کے لئے جو وفد اور جماعتیں فوج در فوج آرہی تھیں آپ ان کا استقبال کرتے ان کو مسلمان بناتے اور انہیں دین اسلام کی تعلیمات سے باخبر کرنے اور ان کی تعلیم وارشاد کے لئے ان کے پاس معلمین بھیج دیتے۔

چنانچہ آپ نے حمیر سے تعلق رکھنے والے یمن کے بادشاہوں کے ان قاصدوں کا استقبال کیا جو اسلام قبول کرنے آئے تھے اور اسی طرح کندہ کے ان وفود کا بھی جو اسّی سواروں پر مشتمل تھا جنہوں نے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا تھا اور انہوں نے کناروں پر ریشم ٹکے ہوئے کامدار جبے پہن رکھے تھے، چنانچہ جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

کیا تم لوگ مسلمان نہیں ہو چکے ہو؟! انہوں نے کہا: کیوں نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ پھر تمہارے لباس میں یہ ریشم کیوں ٹکا ہوا ہے؟! چنانچہ انہوں نے ریشم پھاڑ کر نکال لیا اور اسے پھینک دیا۔

اس طرح یمامہ والوں کا بنو حنیفہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا اسلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور اپنے کجاووں کے پاس اپنا ایک آدمی مسیلمہ بن حبیب کو چھوڑ دیا۔

جب وفد والے اپنا اسلام پیش کر چکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ دے دیا جو کچھ دینا چاہتے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ سے اپنے ساتھی مسیلمہ کا تذکرہ کیا اور یہ بتلایا کہ وہ اسے اپنے کجاووں اور سواریوں کے پاس چھوڑ آئے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے لئے بھی اتنا انعام دینے

کا حکم دے دیا جتنا ان میں سے ہر شخص کو دیا تھا اور یہ فرمایا:

وہ منزلت و مرتبہ کے اعتبار سے تم سے کمتر تو نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساز و سامان کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہرا تھا۔

یہ وفد یمامہ کی جانب روانہ ہوگیا اور ان لوگوں نے مسیلمہ سے وہ الفاظ ذکر کر دیئے جو آپ نے اس کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے، یہ لوگ جیسے ہی یمامہ پہنچے تو مسیلمہ مرتد ہوگیا اور اسلام سے پھر گیا اور اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ بھی نبی ہے اور نبوت میں اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے اور دلیل یہ پیش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھیوں سے یہ کہا تھا کہ وہ منزلت کے اعتبار سے تم سے کمتر نہیں ہے۔

اور پھر مسیلمہ اس غرض سے مقفع و مسجع کلام کہنے لگا تاکہ اس کے ذریعہ سے قرآن سے مشابہت اور مماثلت اختیار کرے اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے اور اس کی تصدیق کرنے کی دعوت دینے لگا اور اللہ نے جو چیزیں حرام کی تھیں ان میں سے اکثر کو اس نے ان کے لئے حلال کر دیا۔

پھر مسیلمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے دو قاصدوں کے ذریعے ایک خط بھیجا جس میں یہ لکھا تھا:

یہ خط اللہ کے رسول مسیلمہ کا اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام ہے، آپ پر سلام ہو، مدعیٰ و مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مجھے اس نبوت میں آپ

کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے اور آدھی سرزمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی لیکن قریش زیادتی کرنے والی قوم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خط کے مضمون کا علم ہوا تو آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپ نے ان دونوں قاصدوں سے فرمایا! تم دونوں کیا کہتے ہو؟ تو ان دونوں نے کہا! ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے ساتھی نے کہی ہے تو آپ نے فرمایا! بخدا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ!

«إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ» تمام سرزمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے۔

(الاعراف ـ ۱۳۰)

جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے کا مسئلہ صرف اس جھوٹے شخص مسیلمہ کذاب پر ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اسی طرح کا جھوٹا دعویٰ اسود عنسی نے صنعاء میں اور نجد میں بنو اسد کے سربراہ طلیحہ نے بھی کیا تھا لیکن یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اپنے اس جھوٹے دعویٰ کو کھلم کھلا علی الاعلان پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

جن لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلم کھلا مخالفت کی اور

cy.blogspot.com

آپ سے عداوت کا اعلان کیا تھا ان میں سے عامر بن طفیل بھی تھا جو ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے بئر معونہ کے حادثہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دھوکہ و غدر کیا تھا جو اہلِ نجد کو تعلیم دینے اور دین کے مسائل سکھانے جارہے تھے تو اس عامر نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا تھا اور اس طرح سے ان کو شہید کردیا گیا تھا۔

عامر بن طفیل اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا ان لوگوں میں ایک شخص اربد بن قیس نامی بھی تھا، عامر اور اربد کی نیت یہ تھی کہ اگر موقعہ مل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکہ کرکے آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔

لیکن جب ان کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگیا اور عامر اور اربد کو اپنا منصوبہ کامیاب بنانے کا موقعہ نہ ملا تو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہوا روانہ ہوگیا کہ: بخدا میں آپ کے خلاف پیادہ پا اور شہسواروں کی اتنی بڑی فوج لاؤں گا کہ آپ کا شہر اس سے کھچاکھچ بھر جائے گا۔

جب وہ چلا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی سے یہ کہہ کر دعا مانگی: اے اللہ مجھے عامر بن طفیل سے محفوظ رکھ۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور عامر اپنے شہر واپس نہ پہنچ سکا اور راستہ میں ہی اس کی گردن پر طاعون کا حملہ ہوا تو اس کے ساتھیوں نے بنو سلول کی ایک عورت کے گھر اسے اس لئے ٹھہرا دیا کہ وہ چلنے سے عاجز ہو گیا تھا۔ اس پر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے بنو عامر کیا ایسا غدود نکلا ہے جیسا اونٹ کے نکلتا ہے اور میری موت بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں آئے گی اور پھر جلد ہی اس طاعون کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

لیکن اربد اپنی قوم کے پاس پہنچ گیا، اس کی قوم نے اس سے پوچھا: اربد کیا خبر لائے ہو؟ ان کی مراد یہ تھی کہ ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہے؟ تو اس نے کہا: کچھ نہیں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ اس وقت میرے پاس ہوں اور میں ان پر اتنے تیر برساؤں کہ وہ ختم ہو جائیں۔

اربد یہ گفتگو کرنے کے بعد دو تین دن ہی زندہ رہا اس لئے کہ ہوا یوں کہ ایک روز وہ اپنے ایک اونٹ کو لے کر بیچنے کی نیت سے نکلا تو اس پر آسمان سے بجلی گری اور وہ جل کر مر گیا۔

اس قسم کے لوگوں کی ایسی قابل ذکر حیثیت نہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کر سکیں اور نہ وہ اس حیثیت میں تھے کہ وہ اسلام پر ایسا اثر ڈال سکیں جس سے اسلام کو ان سے کوئی خطرہ ہو۔ اس لئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغام رسالت کو تمام لوگوں تک پہنچانے کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں غیر مسلموں کے پاس بھیجتے رہے اور جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف میں وہاں کے باشندوں میں دین اور اسلام کی تعلیمات پھیلانے کے لئے اپنے قاصدوں اور داعیوں کو بھیجتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داعی اور پیغامبر ادھر ادھر بھیجے اور ان میں سے ہر ایک کو ان چیزوں کی خصوصی وصیت کی جو انہیں ان قوموں کے ساتھ اپنانا تھیں جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا، چنانچہ آپ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہلِ یمن کی جانب اسلام کی تعلیمات اور احکامات کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی آبادی تھی تو آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا: نرمی اور آسانی کرنا سختی نہ کرنا اور لوگوں کو خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا اور دیکھو تم اہل کتاب کی ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تم سے یہ پوچھے گی کہ جنت کی چابی کیا ہے؟ تو تم کہنا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس ایک اللہ کے جو ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔)

نجران کے عیسائیوں کے بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے اور ان میں سے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ چنانچہ وہ بھی

tooba-e-library

جلد ہی مسلمان ہو گئے اور ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ کے پاس حاضر ہو کر اس بات کی شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اسی طرح آپ نے تین سو شہسواروں کے ساتھ حضرت علی کو اہل یمن کی اس جماعت کے پاس بھیجا جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی کو ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا اور اس طرح سے اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصدوں اور داعیوں کو بھیجتے رہے حتیٰ کہ جزیرۂ عرب میں اسلام اپنی بلندی کو پہنچ گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا اس پر جب ایک سال کا عرصہ گذر گیا تو اب آپ کو حج کے لئے لوگوں کے ساتھ نکلنا تھا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مناسک حج میں کیا کیا کرنا چاہیئے اور تمام مسلمان اسی کے مطابق مناسکِ حج ادا کرتے رہیں۔

سن دس ہجری میں جب ذوالقعدہ کا مہینہ آگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حج کی تیاری کا حکم دے دیا اور ابھی ذوالقعدہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے

ساتھ بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی تمام ازواج مطہرات بھی تھیں اور ہدی کے طور پر ذبح کرنے کے لئے اونٹنیوں کی ایک بڑی تعداد بھی تھی۔

سبحان اللہ! وہ تمام مسلمان جو ہر جانب اور ہر جہت سے اس اجتماع کے لئے اکٹھے ہوئے تھے وہ کس قدر خوش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور صحبت میں حج بیت اللہ کے لئے جانے پر وہ کتنے مسرور ہوں گے!!

اور پھر جزیرۂ عرب کے ان مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر فرحت ہو رہی ہو گی اور آپ کی دعوت و رسالت کے اس ثمرہ کو دیکھ کر آپ کو کتنا سرور حاصل ہو رہا ہو گا!!

ذوالحلیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمان حاجی اکٹھے ہو گئے جن میں سے اکثر اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لائے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ایک چادر باندھ کر اور ایک چادر اوڑھ کر احرام باندھا اور آپ کے ساتھ ہی تمام مسلمانوں نے بھی احرام باندھ لیا اور ذوالحلیفہ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ نے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا اور آپ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی اسے دہرانا شروع کر دیا:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا

tooba-e-library

کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں اور حکومت آپ ہی کی ہے آپ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالشُّكْرَ لَكَ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں اور شکر آپ ہی کے لئے ہے، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

سبحان اللہ کتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کی آوازیں اس مبارک تلبیہ کو دہرا رہی تھیں اور کتنے ہی دل اس کی عظمت کے سامنے جھکے ہوئے تھے، اور کتنی ہی نفوس پر اللہ کی ہیبت طاری تھی۔

حجاج کرام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان کی مسافت طے کرنے لگے اور مسجد یا پڑاؤ میں نماز کے ادا کرنے کے لئے اترتے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے حتیٰ کہ ایک جگہ پہنچے جس کا نام سرف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے حج اور عمرہ کی نیت کر لی اور اپنے صحابہ میں یہ اعلان کرا دیا کہ جس شخص کے پاس ذبح کرنے کے لئے کوئی جانور نہ ہو تو وہ عمرہ کا احرام باندھے حج کا احرام نہ باندھے۔

یہ مبارک قافلہ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو ذوالحجہ کے چار دن گذر چکے تھے.

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے تشریف لائے اور حجر اسود کا استلام کیا اور پھر کعبہ کے ارد گرد طواف کیا. شروع کے تین چکروں میں دوڑ کر چلے تھے. پھر مقام ابراہیم کے پاس آئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دوبارہ کعبہ کی طرف لوٹے اور حجر اسود کا استلام کیا.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر بن الخطاب کو حجر اسود کے استلام کی خاطر مزاحمت کرتے دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے عمر تم طاقت ور آدمی ہو اس لئے حجر اسود پر مزاحمت کر کے کمزوروں کو تکلیف نہ پہنچانا: —— —— اگر جگہ مل جائے تو حجر اسود کا استلام کر لینا اور اس کو بوسہ دے دینا ورنہ دور سے ہی اس کے سامنے جا کر استلام کر لو اور اللہ کا نام لے کر تکبیر پڑھ لو.

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے نکل کر صفا کی جانب تشریف لے گئے اور اس پر چڑھے اور اللہ کی تکبیر اور توحید بیان کی اور پھر وہاں سے اتر کر مروہ کی جانب سعی کی اور لوگوں سے یہ فرمایا: اے لوگو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرو اس لئے کہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں.

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروہ پر چڑھے اور وہاں بھی وہی کیا

جو صفا پر کیا تھا، پھر وہاں سے اترے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی حتیٰ کہ سعی کے سات چکر پورے کر لئے اور پھر جب آپ اور تمام مسلمان سعی سے فارغ ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ: جس کے پاس ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو وہ اپنا احرام کھول لے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ تھی ان پر یہ بات شاق گذر رہی تھی کہ وہ اپنے عمرہ کا احرام کھول دیں اور ایک ساتھ حج و عمرہ نہ کریں، اس لئے مناسک حج میں پہلے ایسا ہوا کرتا تھا کہ حاجی ایک ہی احرام میں عمرہ و حج کر لیا کرتا تھا چاہے اس کے ساتھ ہدی ہو یا نہ ہو، اس لئے اب ان حضرات کو اس میں تردد ہوا کہ احرام کھولیں یا نہ کھولیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس تردد کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: اگر میں اپنے اس کام کو از سرِ نو کرتا تو ایسا نہ کرتا اور اپنے ساتھ ہدی لے کر نہ آتا اور صرف عمرہ کر کے احرام کھول دیتا اور پھر ہدی خریدتا اور حج کے لئے احرام باندھ لیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس اس حالت میں تشریف لے گئے کہ آپ پر غصہ و ناراضگی کا اثر نمایاں تھا اس لئے کہ مسلمانوں نے آپ کے حکم کو نافذ کرنے میں تردد سے کام لیا تھا، یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول آپ کو کس شخص نے غصہ

ولایا ہے ؟ خدا اسے جہنم میں داخل کرے، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہوا کہ میں نے لوگوں کو ایک کام کا حکم دیا تھا لیکن وہ لوگ اس میں پس و پیش کر رہے ہیں ؟!

بہر حال جو لوگ مکہ مکرمہ بغیر ہدی کے آئے تھے انہوں نے احرام کھول دیا اور ان احرام کھولنے والوں میں امہات المومنین یعنی آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ بھی تھیں۔

ٹھیک اسی موقعہ پر حضرت علی بن ابی طالب یمن سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ اس ذمہ داری کو پورا کرکے پہنچے جس کی غرض سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور وہ یہ تھی کہ وہ اہل یمن کی ایک جماعت کو اسلام کی دعوت دیں۔ ان لوگوں نے پہلے تو حضرت علی کی بات نہ مانی اور ان سے جنگ کی جس کی وجہ سے حضرت علی ان سے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے اور ان کو ان پر فتح حاصل ہوئی اور بالآخر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور جب یہ واپس لوٹے تو ان کو یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے جا چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر پر اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو مقرر کر دیا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

جب حضرت علی مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ کے پاس گئے اور دیکھا کہ انہوں نے احرام کھول دیا ہے اور رنگدار لباس سے آراستہ ہیں

تو انہوں نے ان سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا: مجھے میرے ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا۔

حضرت علی نے اپنے سفر کے حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے اور ان لوگوں کے اسلام کے بارے میں خبر دی جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر حضرت علی سے فرمایا: اے علی جاؤ اور جا کر بیت اللہ کا طواف کرو اور جیسے تمہارے ساتھیوں نے احرام کھول دیا ہے تم بھی عمرہ کر کے احرام کھول دو۔ حضرت علی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے احرام باندھتے وقت یہ کہا تھا کہ: اے اللہ میں وہ احرام باندھ رہا ہوں جو آپ کے نبی و رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: کیا تمہارے پاس ہدی ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: جی نہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی ہدی میں شریک کر لیا اور اس طرح سے حضرت علی نے اپنا احرام برقرار رکھا اور اس احرام سے مناسک حج بھی ادا کر لئے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حجاج کرام منیٰ کی جانب روانہ ہو گئے اور جنہوں نے اپنا احرام کھول لیا تھا انہوں نے دوبارہ احرام باندھ لیا۔

جب ذوالحجہ کی نو تاریخ کا سورج طلوع ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قصواء نامی اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور آپ اور تمام مسلمان

جبل عرفات کے پاس تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے پہنچ گئے۔

اور عرفات کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگا دیا گیا اور آپ زوال تک وہیں ٹھہرے رہے پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر وادی کے نچلے حصے میں پہنچ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر آپ نے مسلمانوں کی جماعت سے نہایت بلند آواز میں خطاب کیا جس کو آپ کے پیچھے سے حضرت ربیعہ بن امیہ بن خلف دہراتے جا رہے تھے تاکہ اس کو وہ تمام مسلمان سن لیں جو اس جیسے عظیم اجتماع میں آج تک کبھی اکٹھا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ واقعی اسلام کا ایک دستور تھا جس پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے خطبہ کی ابتدا فرمائی۔

اے لوگو میری بات غور سے سنو مجھے معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ میں اس جگہ تم سے اس کے بعد پھر کبھی نہ مل سکوں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو دین کی باتیں بتلانے لگے اور کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت پر عمل کرنے اور اس سے مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دی اور یہ بتلایا کہ لوگوں کے مال اور ان کی عزت و آبرو اور ان کی جان کی حفاظت کریں اور امانتیں ان کے مالکوں کو واپس

tooba-e-library

کردیں اور سود اور قتل سے بچیں ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے کیسا تعلق ہونا چاہیئے اور انسانوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیئے اور آپ نے لوگوں میں مساوات کا اعلان فرمادیا اور واضح کردیا کہ انسان ہونے کے اعتبار سے حبشی غلام اور قریشی سردار میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا: اے لوگو تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا یہ خطبہ دے چکے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؟ تو لوگوں نے ہر طرف یہ جواب میں کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: اے اللہ آپ گواہ بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ مکمل کر چکے تو ظہر وعصر کی نماز پڑھی اور پھر لوگوں کو اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانِ مبارک پڑھ کر سنایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	اپنا احسان اور پسند کیا میں نے
(المائدہ - ۳)	تمہارے لئے اسلام کو دین۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت کے تلاوت کرنے سے انہوں نے یہ بخوبی سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت کا کام اب مکمل ہو چکا ہے اور اب آپ عنقریب دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

عرفات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان مزدلفہ کی جانب روانہ ہو گئے اور مزدلفہ میں رات گذاری اور صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشعرِ حرام گئے اور پھر منیٰ کے راستہ میں جمرات کو کنکریاں ماریں۔

اور منیٰ میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ترلیسٹھ اونٹنیاں ذبح کیں جو آپ کی عمر مبارک کے برابر تھیں، پھر اپنا سر منڈایا اور اس طرح آپ کے تمام مناسکِ حج پورے ہو گئے اور دوسرے تمام مسلمانوں نے بھی اپنے مناسکِ حج پورے کر لئے۔

پھر مدینہ منوّرہ کے حجاجِ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحبت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے رخصت ہو گئے۔

tooba-e-library

بعض حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حج کو "حجۃ الوداع" کہتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بیت اللہ اور جبلِ عرفات کو اس حج میں آخری مرتبہ دیکھا تھا۔

اور بعض حضرات اس کو "حجۃ البلاغ" کہتے ہیں اس لئے کہ اس حج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام احکامات مکمل طور سے لوگوں تک پہنچا دئے تھے جن کا اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اور وہ دین اسلام تھا۔

اور بعض حضرات اس کو "حجۃ الاسلام" یا "حجۃ التمام" بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس حج میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لئے ان کے دین کو مکمل اور اپنی نعمتوں کو ان پر تمام و کامل کر دیا تھا۔

* * *

۲۵

کمالِ انسانیت

«اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	آج میں پورا کر چکا دین تمہارے لئے
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا»	اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے
(المائدۃ ۔ ۳)	دین پسند کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کے موقعہ پر مسلمانوں کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرکے سنائی جس میں وہ سنہ دس ہجری کے اواخر میں آپ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ آپ نے حج میں جو جو کام کرنا چاہیئے وہ تمام مناسکِ حج ان کو سکھلا اور بتلا دئے اور اس سے پہلے بیت اللہ کو بتوں اور مورتیوں سے پاک کر دیا تھا اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا تھا جب آپ کی قوم کے وہ مکہ والے جنہوں نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں اور آپ سے جنگ کی تھی وہ اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور تمام جزیرۂ عرب اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکا اور اس کی تعلیمات کی پیروی کرنے لگا تھا اور اس نے یہ گواہی دے دی تھی کہ اللہ تعالے وحدہٗ لاشریکہ

ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے ۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور کو پورا اور مکمل اور دین اسلام کو مسلمانوں کے لئے کامل کر دیا تھا اور ان پر اپنی نعمتیں پوری کر دی تھیں اور رسالت اپنے منتہا کو پہنچ چکی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فریضہ کو ادا کر دیا تھا ۔

اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کے لئے بھیجا تھا وہ پورا ہو چکا تھا اور جس دین کی دعوت کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا وہ مکمل ہو چکی تھی آپ تئیس سال تک لوگوں کو اس کی دعوت دیتے رہے اور ایک ایسے علاقے میں جہاں کے لوگ بت پرست تھے بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے اس طویل عرصے میں آپ ان کے ساتھ دین اسلام کے پھیلانے کے سلسلہ میں جہاد کرتے رہے ۔

تئیس سال کا وہ طویل عرصہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایذاء و تکالیف پر صبر کیا اور ہر قسم کی تکالیف و پریشانی برداشت کیں اور اپنے گھر بار کو چھوڑا اور شہر سے ہجرت کی اور بار بار موت سے ٹکرائے اور بڑی بڑی مصیبتیں اور آزمائشیں جھیلیں لیکن ان سب کے باوجود آپ کا نفس مطمئن اور دل پرسکون رہا اور آپ کو یہ مکمل یقین رہا کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور آپ کی مدد کرے گا اور خواہ مجاہدہ و جہاد کا زمانہ کتنا

tooba-elibrary

ہی طویل کیوں نہ ہو جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ آپ کو تنہا ہرگز نہ چھوڑے گا۔ چاہے ان مشرکوں کی ایذائیں کتنی ہی کیوں نہ بڑھ جائیں جنہیں آپ صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دے رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے، لیکن آپ ایک ایسے انسان تھے جس کا کوئی اعلیٰ و بلند مقصد و ہدف ہوتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور ہدف تک پہنچنے میں آپ پر جو ایذائیں اور پریشانیاں آرہی تھیں آپ ان کی مطلقاً پرواہ نہ کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس دنیا میں ایک کامل ترین مثالی زندگی تھی۔ آپ کی زندگی کسی اس انسان کی سی زندگی نہ تھی جو اس لئے جیتا ہے تاکہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے فائدہ اٹھالے، دنیا کی حلال و پاک چیزوں سے ناپسندیدگی یا ان سے بے رغبتی کی بنا پر دور رہے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسی مثالی زندگی تھی جو ہر اس شخص کے لئے نمونہ تھی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو، آپ کی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک مشعل نور اور کامل نمونہ تھی اور آپ کی زندگی ایک ایسی زندگی تھی جو ایسے رسول کے لائق تھی جسے اس دنیا میں ایسے پیغام اور رسالت کے پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہو جس کا پھیلانا اس کا فرضِ منصبی قرار دے دیا گیا ہو اور اس پر یہ واجب کر دیا گیا ہو کہ وہ اس پیغام کی طرف تمام ان طریقوں اور وسائل سے دعوت دے جو اس برتر و

عالی روح اور امین و نبیل نفس کے ساتھ متعارض نہ ہوں جسے اللہ تعالےٰ نے منتخب فرمایا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا سے بے رغبتی اختیار کی تھی اور اس کی نعمتوں اور طیبات سے منہ موڑا تھا تو وہ اس لئے کہ آپ کا مقصود و مطمح نظر دنیا سے وہ نہ تھا جو عام لوگوں کا ہوتا ہے اور آپ کا ہدف دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی نعمتوں میں سے کچھ حصہ لیا تھا اور اس کی تر و تازگی میں سے اپنے نفس کو کچھ حصہ دیا تھا تو وہ صرف اس غرض سے تھا تاکہ مسلمانوں پر وہ چیزیں حرام نہ ہو جائیں جو آپ نے اپنے لئے حرام کر لی تھیں اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اپنے صحابہ کے لئے وہ چیزیں مباح کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے مباح کر رکھی ہیں خواہ آپ نے خود اپنے آپ کو ان سے دور کیوں نہ رکھا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام زندگی دنیا کی زیب و زینت اور اس کے ظاہر کے بجائے اس کی حقیقت اور اس کے جوہر کی طرف متوجہ رہے اور آپ کے اس فعل اور دنیا سے بے رغبتی اور زہد میں جو حکمت تھی اس کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے دنیا کی خواہشات کو چھوڑ دیا ہو اور اس کے ساز و سامان سے دور رہا ہو اور دنیا کی جو چیزیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر استعمال تھیں جنہیں آپ دنیا کا ساز و سامان سمجھتے تھے اس کی حقیقت

tooba-elibrary

کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو غور و فکر اور باریک بینی سے کام لینے والا ہو، اللہ کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے منتخب فرمایا تھا وہ کیا نوش فرمایا کرتے تھے؟ اور کیا پہنا کرتے تھے؟ اور آپ کا بچھونا اور بستر کیا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جو کھانا کھایا کرتے تھے وہ کھجور اور پانی یا کھجور اور دودھ تھا اور گیہوں یا جو کی روٹی بھی مسلسل دو دن سے زیادہ آپ نے نہیں کھائی اور آپ اور آپ کے اہل و عیال پر بسا اوقات پورا پورا مہینہ گذر جاتا تھا لیکن روٹی اور گوشت پکانے کے لئے چولہا جلانے تک کی نوبت نہ آتی تھی اور آپ کو جو بھی کھانا پیش کر دیا جاتا آپ اس کی برائی کبھی بھی نہ کرتے تھے بلکہ اگر دل چاہتا تو اسے کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عام طور سے روئی یا اون یا جوٹ سے بنا ہوا کرتہ اور چادر ہوا کرتی تھی اور آپ کا جوتا معمولی سے ہلکے پھلکے چمڑے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور آپ بوقت ضرورت اپنے کپڑوں میں پیوند لگانے اور جوتا ٹانکنے کو برا نہ سمجھتے تھے اور آپ کا بستر تہ کی ہوئی ایک بڑی چادر یا کھجور کی چھال بھرا ہوا گدا ہوتا تھا۔

ایک انصاری عورت ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے حجرہ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا تو ان کو

یہ بُرا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جیسے معمولی سے بستر پر آرام فرمائیں چنانچہ وہ اپنے گھر گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ایسا بستر لے آئیں جس میں اون بھرا ہوا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بستر کو دیکھا تو حضرت عائشہ سے پوچھا:

اے عائشہ یہ کیا ہے؟! تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایک انصاری عورت نے آپ کے آرام کرنے کے لئے یہ بستر بھیجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا، یہ بستر ان کو واپس لوٹا دو۔ حضرت عائشہ کو یہ بچھونا اچھا معلوم ہوا تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ یہ ان کو مل جائے اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنے میں کچھ تاخیر کی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کئی بار یہ فرمایا: اے عائشہ اس بستر کو واپس لوٹا دو۔ اس لئے کہ بخدا اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلا دیتے.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آپ کے بستر کو اس طرح بچھایا، لیٹنے کے لئے جس کپڑے کی دو تہہ کر دیا کرتی تھیں انہوں نے اس کی چار تہہ کر دیں تاکہ سونے کے لئے اور زیادہ آرام دہ ہو جائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرما ہوئے اور صبح ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا: تم نے میرے لئے رات کیا بچھایا تھا؟

حضرت حفصہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول وہ آپ کا بستر ہی تھا البتہ ہم نے یہ کیا تھا کہ بجائے دوہری تہہ کرنے کے چوہری تہہ کر دی تھی تاکہ اور زیادہ نرم ہو جائے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بستر کو پہلے کی طرح ہی دوہرا بچھایا کرو اس لئے کہ اس کی نرمی نے مجھے رات کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھنے سے روک دیا۔

ایسے موقف اور ایسے عظیم کردار کے بارے میں زبان کیا کہہ سکتی ہے اور قلم کیا لکھ سکتا ہے، نہ ہم زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ قلم اس کی ترجمانی کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ عظیم الشان موقف اس عظیم ہستی کے تھے جو انسانیت کے کمال کو پہنچی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنا رسول بنانے اور خاتم الانبیاء مقرر کرنے کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔

لیکن اب ذرا اس پہلو کو بھی دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ اور قوم اور خادم اور غلاموں اور گھر والوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ اور کیا کیفیت تھی؟!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور قوم پر نہایت مہربان الفت کرنے والے اور ہمدرد تھے۔ ان سے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملتے اور خود سلام کرنے میں پہل کرتے اور بیماروں کی بیمار پرسی کرتے اور ان کی

ضروریات کا خیال کرتے تھے اور اگر کوئی ضرورت مند شخص آپ کے پاس کسی ضرورت سے آتا اور آپ نماز پڑھتے ہوتے تھے تو آپ اپنی نماز مختصر کر دیتے اور اس کی ضرورت دریافت فرماتے تھے اور جب اس کی حاجت پوری کر چکتے تو پھر دوبارہ نماز شروع کر دیتے۔ کسی کے ساتھ اس طریقے سے ہرگز نہ ملتے جو اسے ناپسند ہو اور آپ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے۔ آپ یہ فرمایا کرتے تھے: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس سے جاؤں تو میرے دل میں کسی کے متعلق کوئی بات نہ ہو۔

اور جب آپ کو یہ اطلاع ملتی کہ کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو آپ کو پسند نہیں ہے اور آپ اس بات کی تردید کرنا چاہتے اور اس کا غلط ہونا لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کہتے ہیں، یوں نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کی بات کہتا ہے۔

آپ کو یہ بات قطعاً پسند نہ تھی کہ لوگ آپ کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جائیں اور اس سلسلہ میں آپ یہ فرمایا کرتے تھے: تم لوگ اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک روز ایک شخص نے آپ کو یہ کہہ کر آواز دی: اے ہمارے سردار

اور ہمارے سردار زادے!

تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں لہٰذا میری تعریف و مدح میں اس طرح مبالغہ آمیزی نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا.

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ نہایت شفقت اور رحمت سے پیش آیا کرتے تھے اپنے آزاد کردہ غلاموں سے محبت اور ان کی عزت کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی اولاد تک کی عزت کیا کرتے تھے اور اپنی دودھ پلانے والی آیا حضرت ام یمن کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ: میری والدہ کے بعد میرے لئے ام ایمن معزز ہیں.

اور ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: یہ میرے اہل وعیال میں سے باقی رہنے والوں میں سے ہیں.

ایک روز حضرت ام یمن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیتے ہوئے دیکھا تو آپ سے فرمایا: مجھے بھی پانی پلا دیجئے.

حضرت عائشہ کو ام یمن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا اچھا معلوم نہ ہوا تو انہوں نے ام یمن سے کہا: کیا تم اللہ کے رسول سے ایسی بات کہتی ہو؟

تو ام یمن نے یہ دیکھتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کس قدر خیال کرتے ہیں کہا: جو خدمت ان کی میں نے کی ہے وہ بہت زیادہ ہے: تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ام ایمن تم نے بالکل سچ کہا، اور آپ ان کے لئے پانی لائے اور ان کو پلادیا اور حضرت زید بن حارثہ (جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) سے جو آپ محبت کرتے تھے وہ بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی تھی آپ نے حضرت زید کا نکاح ام ایمن سے کردیا تھا۔

اسی طرح آپ ان کے بیٹے اسامہ بن زید کے ساتھ بالکل اسی طرح محبت اور شفقت والفت سے پیش آتے تھے جس طرح آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کے بیٹے سے پیش آیا کرتے تھے اور ان دونوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے آپ یہ فرماتے تھے: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں آپ بھی ان سے محبت رکھئے۔

اور آپ حضرت اسامہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اسامہ بن زید سے محبت رکھے اور لبا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ اسامہ کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر بٹھالیا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع غزوہ خیبر میں آپ کے ساتھ تھے ایک رات سردی بہت شدید ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا، جس شخص کے پاس لحاف ہو تو وہ اپنے ساتھ کسی اور کو بھی اپنے لحاف میں شریک کرلے۔

حضرت ابورافع اکیلے رہے اور کوئی ایسا آدمی نہ بچا جو ان کو اپنے لحاف میں لے لے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لحاف میں شریک کرلیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی لیکن اس طویل عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کبھی ناراض نہیں ہوئے اور اگر انہوں نے کبھی کوئی کام خلاف مرضی کربھی لیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام کبھی نہ کرسکے تو آپ نے یہ نہ فرمایا: کہ تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟! اور آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر جایا کرتے تھے اور ان کے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے، اور جب نماز کا وقت آجاتا تو انہی کے گھر نماز پڑھ لیتے تھے اور تمام گھر والے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی اور دل لگی کی باتوں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ زاہر نامی ایک نہایت بدشکل دیہاتی تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وقتاً فوقتاً آیا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے اور ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے اور جب وہ اپنے گاؤں واپس جانا چاہتے تھے تو آپ ان کی ضرورت کی چیزیں ان کو مہیا کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں سامان

بیچتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ آپ ان کے پیچھے سے آئے اور ان کو مضبوطی سے دبوچ لیا۔ زاہر کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہیں کس نے دبوچا ہے اس لئے وہ یہ کہنے لگے:

کون صاحب ہیں؟! کون صاحب ہیں؟! مجھے چھوڑ دیجئے۔

جب زاہر متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو انہوں نے اپنی پیٹھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر سے ملنے کو بہت بڑا اعزاز اور عظیم نعمت سمجھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دل لگی کرتے ہوئے فرمانے لگے: اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر آپ مجھے بیچنا چاہیں گے تو پھر تو آپ مجھے کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے!!

آپ مسکرانے لگے اور فرمایا: لیکن اے زاہر تم اللہ کے یہاں تو بہت قیمتی ہو۔

اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج اور غلاموں، پیروکاروں اور خادموں کے ساتھ بیٹھنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے اور نہ ان سے دل لگی اور مذاق کرنے میں کوئی شرم محسوس کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوا کرتے تھے تو آپ بڑوں کے ساتھ رحمدل اور بچوں کے ساتھ شفیق ہوا کرتے تھے اپنے نواسوں کے ساتھ دل لگی کرنے اور ان کے ساتھ نہایت پیار و محبت سے کھیلا کرتے

تھے اور آپ کی الفت ومحبت اور شفقت ورحمت کو دیکھ کر بچے آپ سے لپٹ جاتے اور آپ سے مانوس ہوجاتے تھے، حتیٰ کہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کی بیٹی یعنی آپ کی نواسی امامہ اکثر چاہتی تھیں کہ آپ ان سے دل لگی کرتے رہیں اور کھیلتے رہیں، ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے تو امامہ آپ کے کاندھے پر چڑھ گئیں، اور آپ انہیں لئے لئے نماز پڑھتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بھی ایک مثالی شوہر تھے اور ان کے لئے آپ ایک شریف بھائی کے قائم مقام اور ایک محبت واحسان کرنے والے شفیق باپ کی طرح تھے۔

آپ کی ازواج مطہرات کو آپ کے یہاں وہ حیثیت حاصل تھی جو اس سے قبل نہ کسی بیوی کو اپنے شوہر کے یہاں حاصل ہوئی ہوگی اور نہ کسی بہن کو اپنے بھائی کے یہاں اور نہ کسی بیٹی کو اپنے باپ کے پاس، اس لئے کہ اسلام آنے سے قبل مرد عورت کی منزلت وحیثیت کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے اور نہ اس کی رائے کو کوئی حیثیت اور وزن دیتے حتیٰ کہ جب اسلام آگیا تو اس نے عورت کا اکرام کیا اور اس کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے مرتبہ کو بلند وبالا کیا اور اپنے اوپر ان کا حق لازم کیا اور ان کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ان میں سے بعض آپ سے اپنی کسی بات کے بارے بحث مباحثہ تک کرلیا

کرتی تھیں اور بعض معاملات میں آپ سے بار بار مراجعت کرتیں حتیٰ کہ بعض دفعہ آپ اس پر ناراض بھی ہو جایا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت عمر کی اہلیہ نے اپنے شوہر حضرت عمر سے بحث کی اور ان کے سامنے کسی معاملہ میں اپنی رائے پیش کی تو حضرت عمر نے ان سے کہا: تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟ میں جو کام کرنا چاہتا ہوں تم اس میں بیچ میں دخل کیوں دے رہی ہو؟!

تو ان کی اہلیہ نے ان سے کہا: اے خطاب کے بیٹے تعجب ہے آپ پر، آپ یہ پسند نہیں کرتے کہ آپ سے بحث کی جائے حالانکہ آپ کی بیٹی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کرتی ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا پورا دن اس پر ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر نے جیسے ہی اپنی بیوی کی یہ بات سنی وہ اپنی بیٹی حفصہ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں) کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے میری بیٹی کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتی ہو جس پر آپ پورا پورا دن ناراض رہتے ہیں؟!

حضرت حفصہ نے فرمایا: بخدا ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔

حضرت عمر کو غصہ آگیا اور انہوں نے فرمایا: یاد رکھو میں تمہیں اللہ

اور اس کے رسول کی ناراضگی سے ڈرتا ہوں۔ اے میری بیٹی تم ان کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑنا جن کو ان کے حسن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے ناز میں مبتلا کر دیا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

یہاں سے حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری اہلیہ حضرت ام سلمہ جن سے ان کی رشتہ داری تھی، ان کے پاس گئے تاکہ ان سے حفصہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے حضور صلی اللہ علیہ کے ساتھ معاملہ و برتاؤ کے بارے میں دریافت کریں تو حضرت ام سلمہ نے ان سے فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے تم پر تعجب ہے تم ہر چیز میں مداخلت کرتے ہو اور اب یہ چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج مطہرات کے معاملات میں بھی دخل اندازی کرو، حضرت ام سلمہ نے حضرت عمر سے ایسی گفتگو فرمائی کہ جس سے حضرت عمر کو ہوش آگیا مگر پھر بھی حضرت عمر اپنی بیٹی حفصہ کے بارے میں کہاں خاموش ہونے والے تھے جب کہ ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بھی بنتی ہیں اور نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت جانے سے رک سکتے تھے اور نہ خاموش رہ سکتے تھے جب ان کو یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اپنی اہلیہ کی طرف

سے کچھ اثر ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب عادت مسجد تشریف نہیں لائے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس داخلہ کی اجازت چاہی تاکہ تحقیق کر سکیں کہ آپ مسلمانوں کے پاس کیوں تشریف نہیں لائے۔

جب ان دونوں حضرات کو داخلہ کی اجازت مل گئی اور یہ آپ کے پاس گئے تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تکدر کے اثرات ہیں اور آپ کے اردگرد آپ کی بعض ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی ہیں تو حضرت عمر نے یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر جو اثر ہے یہ ازواج مطہرات کی کسی بات کی وجہ سے ہے۔

لہٰذا حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تکدر کو ختم کرنے کے لئے یہ سوچا کہ کوئی ایسی بات کریں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس جائیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر میری بیوی خارجہ کی بیٹی مجھ سے نان نفقہ کا مطالبہ کرے گی اور میں اس کی گردن پر ایک ہاتھ مار دوں تو بتلائیے اس کا کیا حکم ہے؟۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دئے اور آپ نے اپنی ازواج مطہرہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: یہ دیکھو یہ میرے اردگرد بیٹھی ہیں اور نان نفقہ کا سوال کر رہی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کی طرف بڑھے اور ان کی گردن پر ہاتھ مارا اور حضرت عمر حفصہ کی طرف بڑھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ اختیار کیا اور وہ دونوں یہ کہنے لگے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو ان کے پاس موجود نہیں ہے؟!

تو ان سب نے کہا کہ بخدا اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی اس چیز کا سوال یا مطالبہ نہیں کرینگے جو ان کے پاس موجود نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بعض ایسی چیزیں مانگیں تھیں جو آپ کے پاس نہ تھیں یہ چیز اللہ تعالٰی کو پسند نہ آئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالٰی نے اپنے نبی پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

«يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ
إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ
وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا، وَإِنْ
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ
مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا»

(احزاب - ۲۸ و ۲۹)

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے کہ اگر
تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود
رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع (دنیوی)
دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں
اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس
کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے
تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم
تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالےٰ کے اس حکم کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو ان سب کی سب نے بلا کسی تردد کے اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کیا اور اسے ہی ترجیح دی .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا آپ سے اختلاف انہی باتوں پر نہیں رک گیا تھا بلکہ ان میں آپس میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا تھا . مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل و انصاف اور برابری و مساوات کرنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بعض بعض پر غیرت کیا کرتی تھیں . چنانچہ اس قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف باہمی اتحاد کر لیا اور یہ بھی ہوا کہ حضرت عائشہ اور بعض دوسری ازواج مطہرات نے حضرت زینب بنت جحش کے خلاف جماعت بنالی، اور اسی طرح حضرت عائشہ و حفصہ نے مصر کے مقوقس نے ماریہ [illegible] آپ کو جو باندی دی تھی اس کے خلاف جماعت بنالی اور ان حضرات کو اس بات پر بھی غیرت آتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ماریہ سے ہو جائے جب کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی .

چنانچہ جب حضرت ماریہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا، حضرت ماریہ نے حضرت ابراہیم کو جنا تو وہ سب کی سب اس غیرت کو چھپانے کی طاقت نہ رکھتی تھیں

اور اس وقت ان کا شعور و احساس جو تقریباً حسد کے مشابہ سا تھا اسے نہ چھپا سکیں باوجود اس کے کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی پیدائش سے کس قدر خوشی حاصل ہو رہی ہے اور باوجود اس کے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھیں اور آپ کی خوشی سے نہایت خوش ہوتی تھیں، حتیٰ کہ یہاں تک ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کو حضرت عائشہ کے پاس دکھلانے کے لئے لے گئے اور آپ نے ان سے نہایت خوشی کی حالت میں یہ پوچھا:

اے عائشہ کیا تم مجھ میں اور اس میں مشابہت نہیں دیکھ رہی ہو؟

جب آپ نے یہ فرمایا تو باوجود اس کے کہ حضرت عائشہ یہ سمجھتی تھیں کہ ان کی اس بات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اثر پڑے گا لیکن غیرت کی وجہ سے انہوں نے یہ جواب دیا کہ: مجھے تو آپ دونوں میں کوئی مشابہت نظر نہیں آ رہی ہے۔

اور پھر جب آپ نے ان سے بچے کے نشو و نما اور خوبصورتی وغیرہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا: جو بچہ بھی وہ غذا حاصل کرے گا جو ابراہیم کو مل رہی ہے تو اس کا نشو و نما بھی اچھا ہوگا اور شکل و صورت بھی۔

حضرت ابراہیم کی پیدائش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو

دودھ پلانے کے لئے ایک دودھ پلانے والی کے پاس بھیج دیا تھا اور ان کو بھیڑ بکریاں دے دی تھیں تاکہ ابراہیم کو ان کا دودھ پلائیں اور حضرت ابراہیم کی پیدائش سے آپ کو اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ آپ نے فقراء و مساکین پر صدقہ کیا اور اپنی آزاد کردہ باندی ام سلمیٰ جنہوں نے حضرت ماریہ کی دائی کے فرائض انجام دئے تھے۔ ان کا خوب اکرام کیا اور ان کے شوہر جو آپ کے آزاد کردہ غلام ابو رافع تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی خوشخبری سنائی تھی ان کا بھی خوب اکرام کیا۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے نرمی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اسی طرح آپ ان کے ساتھ بردباری و حزم والا برتاؤ بھی کیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت حکمت سے ان کے ساتھ سختی بھی کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ جو سب سے سخت برتاؤ کیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ نے ان سب کو ایک مہینے تک چھوڑے رکھا۔ نہ آپ معمول کے مطابق روزانہ ان کے پاس جاتے تاکہ ان کے حالات و ضروریات کو معلوم کریں اور نہ ان دنوں میں آپ نے کسی کے گھر رات گذاری جیسا کہ آپ پہلے ان میں سے ہر ایک کے یہاں ایک رات گذارا کرتے تھے بلکہ آپ نے ان میں سے ہر ایک سے کنارہ کشی اختیار کی اور خود ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں چلے گئے جس میں جانے کے لئے

کھجور کے ایک تنے پر چڑھنا پڑتا تھا اور جب اس کوٹھڑی میں ہوتے تو اس کے دروازے پر آپ کا غلام رباح بیٹھا کرتے تھے اور ان کے علاوہ کوئی اور آپ کے پاس نہ آتا تھا۔

ان دنوں مسلمان نہایت بے چینی اور تکلیف میں گرفتار تھے اس لئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا دیکھ رہے تھے اور وہ یہ جرأت نہیں کر پاتے تھے کہ آپ سے آپ کی ازواج مطہرات کے سلسلہ میں کوئی بات کریں۔

جب اس حالت پر چند دن گذر گئے اور آپ اس طرح مسلمانوں کے معاملات پر توجہ دیتے رہے ان کی ضروریات پوری کرتے رہے اور آپ کی طرف سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اپنی ازواج کو معاف کرنے والے ہیں تو لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو طلاق دینے والے ہیں۔

مسلمان سخت پریشان ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے جب یہ بات سنی تو نہایت غمگین ہو گئے، بھلا بتائیے کہ جب عام حضرات کا یہ حال تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خسر تھے ان پر کیا بیت رہی ہوگی اور پھر خود ازواج مطہرات کی کیا کیفیت ہوگی ؟ !

حضرت عمر بن الخطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ

اس حالت پر نہ چھوڑ سکے۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر اس کمرے کی جانب گئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ نشین تھے اور حضرت عمر نے حضرت رباح کو جو حجرے کے دروازے پر بیٹھے تھے آواز دی تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے داخلہ کی اجازت مانگ لیں۔ حضرت رباح نے حضرت عمر کو کوئی جواب نہ دیا تو حضرت عمر سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ عمر نے دوبارہ آواز دی اور اجازت مانگی تو بھی رباح کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کو اجازت نہیں دیں گے ؟! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت جو تکلیف پہنچ رہی تھی وہ کتنی شدید تھی ؟ اور ازواج مطہرات کی طرف سے جو آپ کو دکھ پہنچا تھا وہ کتنا شدید صدمہ تھا۔

حضرت عمر نے اس ارادہ سے کہ ان کی آواز براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ جائے بلند آواز سے یہ فرمایا: اے رباح تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لئے اجازت مانگ لو۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ نے یہ سمجھا کہ شاید میں حفصہ کی وجہ سے آیا ہوں۔ بخدا اگر آپ مجھے یہ حکم دیں کہ میں حفصہ کی گردن اڑا دوں تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا۔

tohfa-e-libra

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اجازت دے دی اور حضرت عمر اس جگہ پہنچ گئے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے وہاں پہنچ کر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اطراف پر نظر ڈالی تو حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے... ! کس چیز نے حضرت عمر کو رلا دیا تھا۔

حضرت عمر کو رلانے والی چیز یہ تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشانات آپ کے پہلو پر بن گئے تھے اور وہاں پر سوائے ایک مٹھی بھر جو اور ذرا سی سبزی کے اور کوئی چیز موجود نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا:

اے عمر تمہیں رونا کیوں آرہا ہے؟!

حضرت عمر نے آنسو بہاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میں کیوں نہ روؤں جب کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے جسم مبارک پر اس چٹائی کے نشانات بن گئے ہیں اور آپ کی اس کوٹھری میں مجھے سوائے اس کے جو میرے سامنے ہے اور کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہے اور یہ قیصر و کسریٰ پھلوں اور نہروں میں مزے کر رہے ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ آپ کی کوٹھری ہے؟!!

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر کیا تمہیں یہ پسند

نہیں ہے کہ ان کافروں کو دنیا مل جائے اور آخرت ہمارے حصے میں آجائے؟!

حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ازواج مطہرات کی کون سی بات آپ پر شاق اور خلافِ طبع گذری ہے؟ اگر بالفرض آپ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو کیا ہوا اللہ اس کے فرشتے اور حضرت جبرئیل و میکائیل اور میں اور ابوبکر اور تمام مسلمان تو آپ کے ساتھ ہیں۔

پھر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا۔

تو حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے رسول میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مسلمان نہایت غم و پریشانی میں بیٹھے ہیں اور پریشانی کی حالت میں کنکریاں زمین پر مار رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو اے اللہ کے رسول کیا میں جا کر ان کو یہ بتلا دوں کہ آپ نے ان کو طلاق نہیں دی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر چاہتے ہو تو بتلا دو۔

پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے رہے حتی کہ آپ ہشاش بشاش اور خوش ہو گئے اور مسکرانے لگے اور آپ کا غصہ

tooba-e-librar

ختم ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ اس کوٹھڑی سے نکلے اور سیدھے مسجد گئے اور نہایت بلند آواز سے مسلمانوں کو یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے۔

لوگوں نے یہ سن کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور وہ نہایت خوش ہوئے اور خوشی کی وجہ سے ان کے غم کا سارا بوجھ اتر گیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے ازواج مطہرات کے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں جن کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اپنے کئے پر سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ وہ اپنے کئے پر نادم اور اللہ کے دربار میں سربسجود توبہ میں مشغول تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ اور خاندان والوں اہل و عیال گھر بار اور خادموں اور غلاموں کے ساتھ یہ طریقہ تھا اور اسی طرح آپ کا برتاؤ تمام لوگوں کے ساتھ تھا۔ نرمی اور شفقت اور اچھا برتاؤ اور بردباری اور ضرورت پڑنے پر حکمت کے ساتھ گرفت اور سختی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نرمی، شفقت و رحمدلی اور اچھا برتاؤ صرف لوگوں اور انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہ تھا بلکہ حیوانات کے ساتھ بھی آپ اسی طرح کا نرمی اور رحمدلی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ

کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے پناہ کی تلاش میں آنے والی بلی کے لیے دروازہ کھول دیا اور کتنی مرتبہ اپنے اونٹوں کی دوا دارو اور علاج کیا اور اپنے گھوڑے کو اپنے کرتے کی آستین سے کتنی ہی مرتبہ صاف کیا، اسی طرح آپ اور لوگوں کو بھی حیوانات کے ساتھ نرم برتاؤ اور رحمدلی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ ایک کتیا کے پاس سے گذرے جو اپنے بچوں کی وجہ سے بھونک رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو حکم دیا کہ وہ اس کے پاس اس وقت تک کھڑا رہے جب تک تمام لشکر گذر نہ جائے تاکہ لشکر کا کوئی فرد اس کو یا اس کے بچوں سے تعرض نہ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جس پر اس سے پہلے سفر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر سختی شروع کر دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں چاہیئے کہ اس کے ساتھ نرمی برتو۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کمالِ انسانیت کے چند نمونے ہیں جو جلدی میں پیش کر دیئے گئے۔

یہ ہیں وہ انسانِ کامل حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ ہی وہ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے رسالت کی تبلیغ

tooba-e-libra

کے لئے منتخب فرمایا تھا یہی وہ عظیم ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بچپن سے ہی عفت و پاکدامنی اور صداقت و امانت میں مشہور و معروف تھے۔ یہی وہ اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کے لئے دشمنوں سے جہاد اور جنگ کی یہاں تک کہ وہ وقت آپہنچا جس میں ان کی جنگ و جہاد کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور انہوں نے خود اس اسلام کو جزیرۂ عرب میں پھیلا ہوا دیکھ لیا جس کے لئے انہوں نے مسلسل ۲۳ سال جدوجہد کی تھی اور آپ نے مشاہدہ فرمالیا کہ لوگ دین اسلام میں فوج در فوج، جماعت در جماعت داخل ہو رہے ہیں جس سے آپ کے سینے کو ٹھنڈک اور نفس کو خوشی حاصل ہوئی اور دل اطمینان و سکون سے لبریز ہو گیا۔

یہ مدت جس میں فضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور رسالت کے لئے سازگار اور راہ ہموار تھی کیا یہ تمام مدت آپ کی نجی اور ذاتی زندگی کے اعتبار سے اطمینان بخش اور پرسکون تھی؟

یہ مدت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام رسالت کے اعتبار سے اطمینان و سکون کا سانس لیا تھا یہ مدت آپ کی نجی و خصوصی زندگی کے اعتبار سے پرسکون نہ تھی، اس لئے کہ اس عرصہ میں ایسے واقعات پیش آئے تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا اور آپ پر ایسے حادثات گذرے تھے جن

کی وجہ سے آپ جیسی ہستی کا اتنا وسیع اور عظیم دل بھی دہل گیا تھا۔

اس عرصہ میں جبکہ اسلام فتح مکہ کی وجہ سے چمک دمک رہا تھا اور اللہ تعالٰی کی مدد اور فتح قدم قدم پر ساتھ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حمد و ثنا کی تسبیح پڑھ رہے تھے ٹھیک اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہو گیا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت زینب اس وقت سے ہی بیمار، شکستہ جسم اور پریشان تھیں جس وقت ان کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا جب انہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا چاہی تھی تاکہ اپنے والد ماجد کے پاس جا سکیں یہ واقعہ غزوۂ بدر کے بعد کا ہے، اس موقع پر اسلام نے ان کے اور ان کے شوہر ابو العاص ابن الربیع کے درمیان تفریق اور علیحدگی کر دی تھی لیکن قریش نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے سے اس لئے روکنا چاہا تاکہ ان کے والد کو اس سے دکھ پہنچے، چنانچہ قریش کی ایک جماعت نے ان کو اس وقت مکہ واپس لوٹانا چاہا جبکہ وہ اپنے دیور کنانہ بن الربیع کے ساتھ مکہ" چھوڑ چکی تھیں اور ہوا یوں کہ یہ ان کے سامنے اس جماعت کے افراد میں سے ہبار بن اسود نیزہ لے کر آگے بڑھا اور ان کو خوف زدہ کیا جس کی وجہ سے حضرت زینب گھبرا گئیں، وہ اس وقت حمل سے تھیں، اس خوف و دہشت کی وجہ سے ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا۔

tolba-e-librar

اس واقعہ کے بعد حضرت زینب مدینہ منورہ ایسی حالت میں پہنچیں کہ وہ نہایت کمزور اور بیمار تھیں، ان کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ان کے شوہر بھی مدینہ منورہ آگئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ابوالعاص نہایت امانتدار آدمی تھے۔ قریش کے لیے سامان تجارت لے کر نکلے تھے جب تجارت سے فارغ ہو گئے اور مکہ مکرمہ کی نیت سے واپس لوٹے تو ان کے راستے میں مسلمانوں کی ایک جماعت آڑے آگئی اور چونکہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دشمنی چل رہی تھی اس لئے مسلمانوں کی اس جماعت نے ان کا مال اور سامانِ تجارت لوٹ لیا۔ ابوالعاص مسلمانوں کی قید و بند سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور رات کی تاریکی میں مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت زینب کے پاس گئے اور ان سے اجازت مانگی اور ان کی پناہ میں داخل ہونا چاہا چنانچہ حضرت زینب نے ان کو پناہ دے دی۔

حضرت زینب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو یہ بتلا دیا کہ انہوں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان کے ابوالعاص کو پناہ دینے کو منظور کر لیا اور ابوالعاص سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس جماعت کے پاس جس نے ابوالعاص کا مال اور سامانِ تجارت لوٹ لیا تھا یہ پیغام بھیجا:

یہ شخص جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے ہمارے پاس ہماری پناہ میں ہے اور تم لوگ اس کے مال کو لوٹ چکے ہو، اگر تم اس پر احسان کرو اور اس کے مال کو واپس لوٹا دو تو ہمیں یہ بات پسند ہے اور اگر تم لوگ واپس نہ کرنا چاہو تو یہ اللہ کا انعام ہے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اور تم اس کے زیادہ حقدار بھی ہو، ان سب حضرات نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم ان کا مال ان کو واپس لوٹاتے ہیں۔

مسلمانوں نے ابو العاص کا مال واپس لوٹا دیا، ابو العاص وہ مال لے کر قریش کے پاس گئے اور جس جس کا مال اور سامانِ تجارت تھا وہ اس کو واپس لوٹا دیا اور پھر قریش سے کہا:

اے قریش کی جماعت کیا تم میں سے کسی شخص کا کوئی مال میرے ذمہ آتا ہے جو اس نے اب تک مجھ سے نہ لیا ہو؟ ان سب نے کہا: جی نہیں اللہ آپ کو جزائے خیر دے، ہم نے آپ کو نہایت شریف اور دیانت دار ہی پایا ہے۔

یہ سن کر ابو العاص نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بخدا میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو مجھے اسلام لانے سے سوائے اس کے کسی چیز نے نہیں روکا کہ تم لوگ یہ گمان کرو

کر میں اسلام اس لئے قبول کر رہا ہوں کہ تمہارے مال و دولت کو ہضم کر لوں لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو تم تک پہنچا دیا اور میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا تو اب میں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے۔

اور پھر ابوالعاص وہاں سے رخصت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہلیہ حضرت زینب کو دوبارہ ان کے نکاح میں دے دیا۔ حضرت زینب تکالیف اور بیماریوں کا مسلسل نشانہ بنی رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پڑوس کے لئے منتخب فرما لیا۔

اور اس طرح سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جا ملیں جن کا انتقال اس سے قبل اس وقت ہو چکا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس ہو رہے تھے اور ان کو ان کے والد کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی شادی اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی۔

حضرت زینب کی وفات کے واقعہ سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور ان کے سانحۂ ارتحال کا آپ کی طبیعت پر گہرا اثر تھا اور وفات سے قبل انہوں نے جو تکالیف اور بیماریاں جھیلی تھیں اس کا بھی آپ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا تھا۔

ابھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سانحۂ ارتحال کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے دور نہ ہوا تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے آپ کا غم از سر نو تازہ ہو گیا۔

اللہ اللہ اس مختصر سے وقفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسی کیسی پریشانیاں آئیں اور آپ کے حساس اور پُر شفقت دل پر کیسے کیسے غموں کا حملہ ہوا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سوائے حضرت فاطمہؓ کے جو کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور آپ کے نومولود صاحبزادے حضرت ابراہیم کے اور کوئی موجود نہ تھا۔

کچھ دنوں تک وقت اس طرح گذرتا رہا کہ ان دنوں آپ ان جماعتوں اور وفود کے استقبال میں مشغول رہے جو جزیرۂ عرب کے اطراف سے اسلام قبول کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ جزیرۂ عرب کے اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بھیجنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

tooba-elibrary

اجمعین میں سے ایسے لوگوں کو منتخب فرمایا کرتے تھے جو ان کے ساتھ جائیں اور ان لوگوں میں کام کریں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا تاکہ نو مسلم وفود اور جماعتیں اسلام پر برقرار رہیں اور یہ حضرات ان کو دین کے مسئلے مسائل بتلاتے رہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کیا کہ بعض وہ قبائل جنہوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ان کی جانب بھیجیں تاکہ وہ لوگ یا تو اسلام قبول کرلیں اور یا مسلمانوں کے ماتحت جزیہ دے کر زندگی گذاریں اور ان لوگوں کا مسلمانوں پر کسی قسم کا اثر نہ پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود ایک بڑے لشکر کو لے کر غزوۂ تبوک کے لئے نکلے تاکہ رومیوں کے مقابلہ پر جزیرۂ عرب کی حدود محفوظ ہو جائیں، لیکن مسلمانوں کا یہ لشکر بلا جنگ کئے واپس لوٹ آیا اور رومیوں کے لشکر نے اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان علاقوں میں معنوی اعتبار سے مسلمانوں کا رعب قائم ہوگیا اور ان کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔

اور ٹھیک اس وقت جب کہ اسلام اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نصرت و مدد سے پر سکون و مطمئن تھے، ان

اوقات میں آپ اپنے بے شمار مشاغل اور درپیش مہمات میں سے کچھ وقت نکالنے کی کوشش فرماتے تھے تاکہ عالیہ (ایک جگہ کا نام ہے جہاں آپ نے حضرت ماریہ کو ٹھہرایا ہوا تھا) جاکر اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا دیدار کرسکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس بیٹے کی وجہ سے جو اللہ تعالٰی نے آپ کو اس وقت عطا فرمایا تھا جب آپ کی ان اولاد میں سے جو حضرت خدیجہ سے تھی سوائے حضرت فاطمہ کے اور کوئی بقید حیات نہ تھا، آپ نہایت اہتمام سے اس کے نشو ونما اور بڑھنے پلنے کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ اور آپ جب اس کو اپنی گود میں اٹھاتے تو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر خوشی سے آپ کا دل پھولوں نہ سماتا۔

حضرت ابراہیم نے اپنی زندگی کا ڈیڑھ سال یا اس سے کچھ اوپر کا عرصہ طے کیا اور اس تمام عرصہ میں آپ ان سے ملنے وقتاً فوقتاً جاتے رہتے اور ان سے پیار و دل لگی کرتے رہتے اور ان کو جو آپ سے ہوبہو اور مکمل مشابہت تھی اسے نہایت خوشی سے ملاحظہ فرماتے۔

ایک سال اور چند ماہ کا وہ عرصہ جس میں حضرت ابراہیم زندہ رہے تھے یہ ایک ایسا روشن و شاندار وقت تھا جس سے آپ کی نفس کو بشاشت حاصل ہوتی اور دل اطمینان وسکون اور فرحت وخوشی سے لبریز ہوجاتا تھا لیکن وقت نے بڑی جلدی کروٹ بدلی تاکہ یہ تو وہ سرور جلد ہی ختم ہوجائے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم بیمار پڑ گئے اور مرض اتنا شدید ہو گیا کہ ان کی زندگی کے لالے پڑ گئے اور جان بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور آپ کے اہل و عیال ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے ہر وقت ان کے چاروں طرف کھڑے رہتے تاکہ ان کی دیکھ بھال مکمل ہو اور ان کی بیماری میں کچھ تخفیف ہو لیکن تمام محنتیں رائیگاں گئیں اور مرض بڑھتا ہی گیا، حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب سب کو یہ نظر آنے لگا کہ وہ ابراہیم جنہوں نے ایک عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی اب وہ زندہ نہ رہ سکیں گے اور عنقریب اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔

جس وقت حضرت ابراہیم کی روح پرواز کر رہی تھی اور وہ اپنی والدہ کی گود میں تھے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیا گیا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ غم و اندوہ کی وجہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا اور آپ اس چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھے جو آپ کو دیکھ کر ہر وقت ہشاش بشاش رہتا تھا اور اس منہ کی طرف دیکھ رہے تھے جو آپ کو دیکھ کر مسکرایا کرتا تھا اور آپ کے سامنے وہ آنکھیں تھیں جو آپ کی طرف اطمینان و سکون و پیار بھری نظروں سے دیکھا کرتی تھیں اور آپ اس وقت یہ فرما رہے تھے:

اے ابراہیم جو اللہ کی طرف سے تم کو پہنچنے والا ہے ہم تم کو اس سے

ہرگز نہیں بچا سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی گود میں ہی حضرت ابراہیم نے دم توڑ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین غم و اندوہ کی وجہ سے آہ و بکا اور رونے میں مشغول تھیں۔

حضرت ابراہیم کے جسم کی حرکت جب بالکل ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے اور آپ نے فرمایا۔

اے ابراہیم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ موت کا آنا حق ہے اور موت اپنے وقت مقررہ پر ضرور آتی ہے اور بعد والوں کو پہلے والوں کے ساتھ ضرور ملنا ہے ——— تو ہم تم پر اس سے زیادہ غم کرتے، اے ابراہیم تمہارے فراق کی وجہ سے ہم سخت غم و ملال میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو دلاسا دینے اور تسلی کی خاطر آپ کے ارد گرد جمع ہو کر آپ سے یہ عرض کرنے لگے!

اے اللہ کے رسول کیا آپ رونے سے منع نہیں فرماتے تھے؟!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے رونے اور غمگین ہونے سے ہرگز منع نہیں کیا تھا بلکہ میں نے تو زور زور سے آواز بلند کر کے رونے سے منع کیا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور دل غمگین ہوتا ہی ہے اور ہم صرف وہی بات زبان پر لائیں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والی ہو بے شک ہم سب

ry.blogspot.com

اللہ ہی کے ہیں اور ہم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ اللہ کے حق کو ہم سب سے زیادہ پہچاننے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جو کچھ اثر دیکھ رہے ہو یہ رحمت اور شفقت کا اثر ہے اور جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ کے پاس گئے اور ان کو تسلّی اور دلاسہ دیا اور فرمایا: ابراہیم کے لئے اللہ تعالےٰ نے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر فرما دی ہے۔

حضرت ابراہیم کو غسل دیا گیا اور جنت البقیع (قبرستان کا نام ہے) لے جانے کے لئے ایک چھوٹی سی چارپائی پر رکھ دیا گیا اور آپ کے چچا حضرت عباس اور دوسرے مسلمان آپؐ کے ساتھ ہو لئے اور وہاں پہنچ کر آپؐ نے حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کی قبر کی مٹی برابر کی اور اس پر پانی چھڑکا اور اس پر نشانی لگا دی اور یہ فرمایا: اس سے نہ تو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ نقصان بس یہ زندہ رہنے والوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے

کہ انسان اسے مکمل اور اچھے طریقہ سے کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی قبر کی مٹی سے ہاتھ جھاڑ کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور آپ نے غم کے سامنے نہ ہتھیار ڈالے اور نہ صدمہ و غم کو اپنے اوپر سوار کیا اور اس دردناک حادثہ کی وجہ سے آپ نے دعوتِ اسلام سے کسی لمحہ بھی قطع نظر نہ کیا اور نہ مسلمانوں کے کاموں کے انجام دینے میں کسی قسم کی کمی کی، حالانکہ آپ اس چاند کو دفن کر چکے تھے جس کی شعاعیں آپ کی نفس و قلب کو ایک مختصر سے عرصہ تک منور و پرسکون بنا چکی تھیں اور پھر وہ چاند جلد ہی منہ موڑ کر روپوش ہو گیا تھا۔

جس دن حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اس روز سورج گرہن ہوا اور مسلمانوں کے خیال میں اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہ تھی کہ حضرت ابراہیم دنیا سے رخصت ہوئے ہیں چنانچہ انہوں نے کہا: یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم کی وفات کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کی یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا:

إن الشمس والقمر	بے شک چاند و سورج اللہ تعالے کی
آیتان من آیات اللہ	نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں

۷۹۸

لا تخسفان لموت أحد ولا لحياته فإذا رأيتم ذلك فافزعوا إلى ذكر الله بالصلاة .

کسی کے مرنے یا جینے کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے لہٰذا جب تم یہ صورت حال دیکھو تو فوراً جلدی سے نماز کے ذریعہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جایا کرو۔

سبحان اللہ ایسے نازک موقعوں پر آپ کی ہستی کتنی عظیم الشان تھی اور سخت سے سخت مواقع پر آپ کیسے جلیل القدر و باہمت تھے، صلی اللہ علیہ وسلم

* * *

حدیث

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ
وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ،
وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ
حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(نسائی)

ry.blogspot.com

۳۶

رحلتِ نبوی

سنہ دس ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ حج کی ادائیگی کے ارادے سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زائد جانثار مسلمان تھے۔

اس حج کو بعض مسلمان "حجۃ الوداع" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ مکہ مکرمہ بیت اللہ مسجد حرام اور جبل عرفات کو دیکھا تھا۔ بعض مسلمان اس کو "حجۃ الوداع" بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ لوگوں تک پہنچا دیا تھا جس کے پہنچانے کا اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اور وہ دین اسلام تھا۔

اسی حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عظیم الشان خطبہ دیا تھا جو بجا طور پر اسلام کا دستور کہلاتا ہے جس کی ابتدا آپ نے اس فرمان مبارک سے کی تھی: اے لوگو! میری بات غور سے سنو، اس لئے کہ مجھے معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے اس سال کے بعد اس جگہ تم سے پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکے اور اس وقت اللہ تعالےٰ نے آپ پر جو آیت قرآنیہ نازل

فرمائی تھی وہ تلاوت فرمائی:

«اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ	دین اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا»	احسان اور میں نے اسلام کو تمہارے
(المائدہ - ٣)	لئے دین پسند کیا۔

یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اس لئے کہ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری پوری ہونے والی ہے اور آپ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ مناسک حج ادا کر کے مدینہ منورہ واپس لوٹ گئے اور آپ مسلمانوں کو یہ بتلا چکے تھے کہ شاید اس سال کے بعد دوبارہ ان سے ملاقات نہ ہو سکے اور ان کو وہ آیت بھی پڑھ کر سنا چکے تھے جو قرآن کریم کی وحی کے اختتام پر اللہ تعالےٰ نے آپ پر نازل فرمائی تھی جس قرآن کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے لوگوں کے دین کو کامل و مکمل کر دیا تھا اور اپنی نعمتوں کی تکمیل فرما دی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی شک و شبہ کے یہ جانتے تھے کہ اللہ کی طرف سے جس پیغام رسالت کو پہنچانے کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے اور جس مقصد کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا آپ نے اسے پورا

tooba-elibrary

کر دیا ہے اور آپ نے جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ نے دین اسلام کے نور کو کامل و مکمل کر دیا۔ چنانچہ اسلام جزیرۂ عرب میں پھیل چکا تھا اور اب وہ اس حالت میں تھا کہ اس پر شرک کے غلبہ یا منافقوں کے نفاق و دجل سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ صورت حال بھی تھی جو آپ کو فکر مند کیے رکھتی تھی اور آپ اس کے سلسلہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے اور وہ یہ کہ رومی جزیرۂ عرب کی شمالی حدود پر مسلط تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے فکر لگی رہتی تھی اگرچہ وہ کسی موقعہ پر بھی مسلمانوں کے خلاف فتح حاصل نہ کر سکے تھے لیکن پھر بھی آپ ان کی طرف سے متفکر تھے۔

غزوہ مؤتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ اور آپ کے چچا حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرات جام شہادت نوش کر چکے تھے جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے پرچم تھامنے والوں میں سے تھے۔ لیکن اس صورت حال کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیاری اور حسن تدبیر سے مسلمانوں کے لشکر کو لے کر اس طرح واپس ہوئے تھے کہ جس کی وجہ سے وہ عرب قبائل جو شام میں مقیم تھے بہت متاثر ہوئے جس کا بڑا اثر یہ ہوا کہ ان میں سے بیشتر

قبائل اسلام میں داخل ہو گئے اور رومی لشکر مسلمانوں کے لشکر پر فتح و کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل لشکر کو لے کر شام کی حدود کی طرف روانہ ہوئے اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ رومی عرب کی حدود پر آکر لڑنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ چنانچہ جب آپ ان سے مقابلے کے لئے نکلے تو رومیوں کے لشکر نے مسلمانوں کے لشکر کے سامنے آنے کی جرأت نہ کی بلکہ اپنے شہر کے اندر ہی اپنے قلعوں میں بند ہو گئے جس کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے وہاں ٹھہرنے کو غیر ضروری سمجھا اور واپس لوٹ آئے۔

اس سب کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے سلسلہ میں سوچتے رہتے تھے اور آپ عرب کے حدود کے سلسلہ میں ان کی طرف سے بے فکر و مطمئن نہ تھے اور نہ آپ ان کی حرص و لالچ سے بے فکر تھے اس لئے کہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام دوسرے ملکوں میں داخل ہو رہا ہے اور مختلف شہروں میں پھیل رہا ہے اور بہت سے بادشاہ اور حکام اور بے شمار عیسائی خوشی خوشی اسلام قبول کر رہے ہیں اور جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے ہیں اسلام نہ ان سے ان کی آزادی سلب کرتا ہے اور نہ ان کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی تعلیمات کی پیروی کرتے رہیں اور

مقرر کردہ جزیہ مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لئے ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ چونکہ چھوٹی عمر کے تھے اس لئے مسلمانوں کی ایک جماعت نے آپس میں یہ سرگوشی کی۔

حضرت اسامہ مہاجرین اولین کے امیر کیسے بنیں گے؟! لوگوں کی یہ سرگوشیاں اور آگے بڑھیں اور آپس میں ایک دوسرے سے نہایت تعجب سے سوال کیا جانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو محسوس کر لیا اور ان حضرات کی تردید کی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ بات بتلائی، یہ سن کر آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: بخدا اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں اس لئے کہ تم لوگ اس سے پہلے ان کے والد کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ امیر بننے کے حقدار تھے اور ان کے بیٹے ان کے بعد امیر بننے کے حق دار ہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں اچھا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو، یہ تمہارے ممتاز و پسندیدہ اور اچھے لوگوں میں سے ہیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہؓ کو جھنڈا اٹھایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا:-

tooba-elibrary

اے اسامہ اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جنگ کرو اور تیزی سے چلنا تاکہ تم دشمن کے مطلع ہونے سے پہلے ان تک پہنچ جاؤ اور رہنماؤں اور راستہ جاننے والوں سے مدد لیتے رہنا اور حالات پر مطلع ہونے کے لئے جاسوس کو پہلے بھیج دینا اور آگے بڑھتے رہنا یہاں تک کہ تم اپنے گھوڑوں سے ان جگہوں کو روند ڈالو جہاں تمہارے والد کو شہید کیا گیا تھا، دشمن پر صبح سویرے حملہ کر دینا اور غدر سے بچنا اور کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا، پھر جب اللہ تعالے تمہیں فتح و غلبہ عطا فرما دے تو واپس لوٹ آنا اور زیادہ عرصہ وہاں مت ٹھہرنا.

حضرت اسامہ کے لشکر نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور مدینہ منورہ کے باہر پڑاؤ ڈالا تاکہ تمام لوگ مکمل طور سے تیار ہو جائیں اور اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا جائے۔

انہی دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک میں درد محسوس کیا جس کی وجہ سے آپ کو بے خوابی کی شکایت پیدا ہو گئی اور آرام کرنا مشکل ہو گیا. چنانچہ ایک رات آپ اپنے گھر سے اس حالت میں نکلے کہ آپ کے ساتھ آپ کے غلام ابو موہبہ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا. گھر سے نکل کر آپ چلتے رہے اور مدینہ منورہ کے بقیع غرقد نامی مسلمانوں کے قبرستان میں آئے اور قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر قبر والوں سے خطاب کر کے آپ نے فرمایا:

tooba-elibrary

السلام علیکم یا اہل المقابر لیھنئ لکم ما أُصبحتم فیه مما أُصبح الناس فیه أُقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم یتبع آخرھا أولھا الآخرة شر من الأولیٰ ۔

اے قبرستان والو تم پر سلامتی ہو اور لوگوں کی بنسبت جو نعمتیں تم کو حاصل ہیں وہ تمہیں مبارک ہوں فتنے تاریک رات کے حصوں کی طرح پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے کی بنسبت زیادہ بڑا ہے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان والوں کے لئے دعاءِ مغفرت مانگی اور پھر حضرت ابو مویہبہ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد ابو مویہبہ نے لوگوں کو یہ اطلاع دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع غرقد کے قبرستان والوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کے بعد ان سے یہ کہا تھا کہ ابو مویہبہ بے شک مجھے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور دنیا میں ہمیشہ رہنے اور پھر جنت کے انتخاب کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا تو ان سب کے درمیان اور اپنے رب کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔

تو ابو مویہبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ دنیا کے خزانوں میں ہمیشہ رہنے کی چابیاں لے لیجئے اور پھر آخر میں جنت کو پسند فرمائیے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہرگز نہیں اے ابومویہبہ خدا کی قسم میں اپنے رب کی ملاقات کو اختیار کرتا ہوں۔ صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ ان کو سر درد کی شکایت ہے اور وہ یہ کہہ رہی ہیں ہائے میرا سر!!

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ اپنے سر درد کو تو چھوڑو میرے سر میں شدید درد ہے (مجھے یہ بات کہنا چاہیئے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شکایت کو سن کر حضرت عائشہ نے دوبارہ اپنے سر درد کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل لگی کے طور پر ان سے فرمایا: اے عائشہ بھلا بتاؤ تو سہی کہ اس صورت حال میں کیا تمہارا نقصان ہوگا کہ اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جاؤ میں تمہیں کفن دوں، تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تمہیں دفن کر دوں۔

آپ کی یہ دل لگی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اثر کر گئی اور انہوں نے فرمایا کہ: آپ کی ازواج مطہرات میں سے دوسری بیویاں مجھ سے زیادہ اس کی مستحق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور درد کی شدت نے آپ کو حضرت عائشہ سے مزید دل لگی سے روک دیا، پھر کچھ وقت کے لئے آپ کا

درد ختم ہو گیا اور آپ ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے گئے اور جب آپ حضرت میمونہ کے گھر پہنچے تو دوبارہ سر درد کا حملہ ہوا اور مرض نے شدت اختیار کر لی اور بخار چڑھ گیا تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلب فرمایا۔ بیماری کے دوران حضرات عائشہ کے گھر میں قیام کی اجازت طلب کی چنانچہ ان سب نے آپ کو بخوشی اس کی اجازت دے دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے سر پر پٹی باندھ کر اس حالت میں نکلے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب پر سہارا کیا ہوا تھا اور اس حالت میں آپ حضرت عائشہ کے گھر پہنچ گئے۔

لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر پھیل گئی جب سے وہ شدید پریشان ہو گئے اور ان پر اس سے سخت دکھ ہوا اور وہ نہایت بے چین و بے قرار ہو گئے، اس لئے کہ انہیں یہ بخوبی معلوم تھا کہ ساری عمر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اتنی شدید بیماری لاحق نہیں ہوئی جس سے آپ صاحب فراش ہو گئے ہوں اور نہ انہیں یہ یاد تھا کہ کبھی آپ کو ایسا شدید بخار آیا ہو جس کی وجہ سے آپ کو اس جیسی تکلیفیں برداشت کرنا پڑی ہوں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری زندگی میں سنہ

چھ ہجری میں ایک مرتبہ ہلکی سی کھانسی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ایک مختصر سے وقفہ کے لئے آپ کا کھانا پینا بند ہو گیا تھا اور پھر جلد ہی اس کا اثر ختم ہو گیا تھا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری زندگی کبھی کوئی اور تکلیف نہ پہنچی تھی سوائے اس موقعہ کے جب آپ نے زہریلا گوشت تناول فرما لیا تھا جس کا اثر آسان سے معمولی علاج سے دور ہو گیا تھا۔

ان دو واقعات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی قوت و طاقت اور ہمت و نشاط کی زندگی تھی اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں اس لئے کہ آپ کی تعلیمات آپ کو اور ہر اس شخص کو جو آپ کی ان تعلیمات کی پیروی کرے بیماری سے دور کرنے والی تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس وقت کھایا کرتے تھے جب خوب بھوک لگی ہو اور جب کھانے بیٹھتے تو پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے، اسی لئے آپ نے مصر کے مقوقس کے ہدایا میں سے بنہا کا شہد اور ماریہ اور سیرین نامی باندیوں کو قبول فرما لیا تھا اور طبیب کو یہ فرما کر واپس کر دیا تھا کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو بلا بھوک کھاتے نہیں اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔

اس سب کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صاف ستھرے رہتے تھے، دن میں پانچ مرتبہ وضو کرتے تھے اور اپنے کپڑوں کی صفائی

ستھرائی کا خیال رکھتے اور شکل وصورت کو درست رکھنے کی کوشش فرماتے تھے اور یہ فرما کر صفائی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

النظافة من الایمان صفائی ایمان کا جزء ہے

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ چست اور مستعد رہتے تھے، عبادت میں لگے رہنا اور مسلمانوں کی ضروریات کے لئے جاگنا آپ کی عادت مبارکہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ساتھ نہایت عمدہ جوڑ قائم رکھتے تھے، آپ مہلک اور نقصان دہ لذت آور اشیاء اور نقصان دہ کھیل کود سے دور رہتے تھے۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو اپنے کرنے والے کی صحت کی کامل ضمانت تھیں۔

جب صورتِ حال یہ تھی تو پھر مسلمان کیوں نہ بے چین اور مضطرب ہوتے جبکہ وہ اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری میں مبتلا تکالیف جھیلتا ہوا دیکھ رہے تھے؟؟!

بات بھی ٹھیک تھی اس لئے کہ آپ کے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل وعیال کیوں نہ پریشان ہوتے جنہوں نے ساری زندگی آپ کو صحت و تندرستی قوت و توانائی کے ساتھ رسالت و نبوت کے بوجھ کو اٹھاتے ہوئے اس طرح دیکھا تھا کہ بیماری آپ تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہی نہ پاتی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت اسامہ کا وہ لشکر جو رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی تیاریوں میں مصروف تھا اس نے اپنی تیاری موقوف کر دی تاکہ آپ کی صحت کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی حالت پر چند روز اس طرح گذر گئے کہ آپ کا مرض بڑھتا ہی گیا اور حرارت کبھی زیادہ ہو جاتی اور کبھی کم، جب بخار تیز ہوتا تو اس کی زیادتی اور شدت کی وجہ سے آپ کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا، اور جب بخار کم ہوتا تو آپ اپنے اوپر بوجھ ڈال کر ہمت کر کے مسجد تشریف لے جاتے اور اپنے محبین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی آپ کو اس جدوجہد اور محنت پر اجر عطا فرمائے جو آپ مسلمانوں کے فائدہ کے لئے کرتے رہے ہیں۔

بیماری کی اس شدت کے دوران جس کا آپ پر حملہ ہوتا رہتا تھا آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا: مختلف کنوؤں سے سات مشکیزے منگا کر میرے اوپر بہا دو تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر انہیں نصیحت کروں اور ان سے عہد لے لوں، چنانچہ مطلوبہ پانی مہیا کیا گیا اور آپ کی ازواج مطہرات نے آپ کو ایک نشست میں بٹھا دیا اور آپ کے اوپر وہ پانی بہانا شروع کر دیا، حتیٰ کہ آپ نے یہ فرمانا شروع کر دیا: بس کرو کافی ہے، بس کرو۔

tobaa-elibra

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور آپ نے وہاں پہنچ کر جنگ احد کے شہداء کے لئے دعا کی اور پھر فرمایا:

اللہ کے اپنے ایک بندہ کو دنیا میں رہنے اور جو اس کے لئے اپنے پاس تیار کر رکھا ہے اس کے درمیان اختیار دیا ہے اور اللہ کے اس بندہ نے اس کو اختیار کیا ہے جو اللہ کے پاس ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی حقیقت تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً پہنچ گئے اور رونے لگے اور آپ سے عرض کیا: ہم آپ پر اپنی جانوں اور اولاد کو قربان کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتنے زیادہ متاثر ہونے کو دیکھا تو فرمایا:

اے ابوبکر ذرا نرمی برتو۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سوائے حضرت ابوبکر کے دروازے کے مسجد کی جانب کھلنے والے دوسرے تمام دروازے بند کر دئے جائیں اور فرمایا: ان سے زیادہ کوئی افضل و اعلیٰ رفیق و ساتھی میرے علم میں نہیں ہے اور اگر بالفرض انسانوں میں سے کسی کو میں اپنا خلیل اور جگری دوست بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن ہمارا اور ان کا تعلق رفاقت اور ایمانی اخوت کا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو آخرت میں یکجا اکٹھا فرمادے۔

پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو، یہ آپ نے اس لئے ارشاد فرمایا کہ آپ نے حضرت اسامہؓ کے سفر میں تاخیر کرنے کو محسوس کر لیا تھا اور آپ یہ جان گئے تھے کہ لوگ لشکر کے روانہ ہونے کے سلسلہ میں متردد ہیں۔

پھر آپ نے انصار کے سلسلہ میں مہاجرین کو یہ فرما کر وصیت کی:

اے جماعت مہاجرین! انصار کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت قبول کر و اس لئے کہ اور لوگ تو بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اپنی اس حالت پر رہیں گے ان میں اضافہ نہ ہوگا: یہ لوگ میرے وہ معاونین ہیں جن کے پاس میں نے ٹھکانہ حاصل کیا، اس لئے ان میں سے جو اچھا کام کرے اس کو قبول کر لو اور ان میں سے کسی سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے درگذر کر دیا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھکے ماندے واپس تشریف لائے اور آپ کا مرض اور شدید ہو گیا اور بیماری نے اور شدت پکڑ لی، دوسرے دن آپ میں اتنی قوت نہ رہی کہ حسب عادت نماز کے لئے دولت کدہ سے باہر تشریف لا کر سب کے ساتھ نماز پڑھیں۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات نہایت شاق گذری کہ آپ حسب عادت لوگوں کو نماز پڑھانے تشریف نہ لے جائیں چنانچہ انہوں نے

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حضرت ابوبکر نہایت پست آواز ہیں اور جب قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں تو کثرت سے روتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ان کو حکم دے دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت عائشہؓ نے دوبارہ وہی بات دہرائی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود شدت تکلیف کے پھر یہی جملہ دہرایا کہ: ابوبکر کو حکم دے دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت بڑھتی گئی اور سب گھر والے آپ کی بیماری کی اس شدت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن اس کے دور کرنے پر قادر نہ تھے۔

دردناک صورت حال یہ تھی کہ ان کے محبوب اور اللہ کے نبی ان کے سامنے بیمار پڑے تھے، بخار تیز ہوتا جا رہا تھا حتیٰ کہ اس کی شدت کی وجہ سے آپ پر غفلت طاری ہو جاتی تھی، پھر آپ ہوش میں آتے اور کچھ افاقہ ہو جاتا پھر از سر نو آپ پر بے ہوشی کا دورہ پڑتا اور آپ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرتے کہ اپنے پاس رکھے ہوئے ٹھنڈے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبوتے اور اس کو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تاکہ اس کے ذریعہ سے بخار کی شدت سے آپ کو جو تکلیف پہنچ رہی تھی اس میں کچھ کمی آجائے، آپ کی پیاری بیٹی حضرت

فاطمہؓ جو آپ کی اولاد میں سے تنہا اکیلی زندہ رہ گئی تھیں وہ جب بیمار پرسی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں تو آپ کھڑے ہو کر ان کو چوم لیا کرتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھال لیا کرتے تھے، لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ آپ نہ ان کے لئے حسب عادت کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ ان کو چوم سکتے تھے۔ چنانچہ اب جب حضرت فاطمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے آپ کو بوسہ دیا اور آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھال لیا اور چپکے سے ان سے کوئی بات کہی جسے سن کر حضرت فاطمہؓ رونے لگیں، پھر آپ نے دوبارہ آہستہ سے کوئی اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جب اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے جو بات چپکے سے کہی تھی اور انہوں نے وہ بات اپنے والد کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیان فرمادی تھی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چپکے سے یہ فرمایا تھا کہ میرا انتقال اسی بیماری میں ہو جائے گا جسے سن کر وہ بے اختیار رونے لگیں، پھر آپ نے دوبارہ چپکے سے ان سے یہ فرمایا کہ وہ ان کے اہل و عیال میں سے سب سے پہلے ان سے ملیں گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔

اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اپنی ایک اکیلی بیٹی سے اس صدمہ کے غم کو کچھ ہلکا کر دیں جو آپ کی وفات کی شکل میں ان کو پہنچنے والا تھا اور اس کے لئے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے ان کو اپنی وفات کی اطلاع دی اور پھر ان کو یہ اطمینان دلا دیا کہ وہ سب سے پہلے آپ سے جا کر ملیں گی۔

رومیوں سے جنگ کے لئے مسلمانوں کا جو لشکر رخصت ہونے والا تھا وہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوداع کہنے کے لئے آیا اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطاب اور ان جیسے دوسرے بڑے بڑے مہاجرین اور انصار بھی تھے لیکن سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شدید بیماری کی حالت میں چھوڑ کر کس طرح چلے جائیں اور ان حضرات کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ وہ مدینہ سے کس طرح رخصت ہوں جبکہ ان کے دل اور عقلیں اور روح مدینہ منورہ میں تھیں۔

جس وقت حضرت اسامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداعی ملاقات کرنے کے لئے آئے تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور پھر ان کو حضرت اسامہ پر رکھ دیا جس سے حضرت اسامہ نے یہ اندازہ کر لیا کہ آپ ان کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ سے اس حالت میں رخصت

ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت اور تکلیف کو دیکھا تو وہ اپنے اوپر قابو نہ پا سکیں اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ ہائے میرے ابا جان کی بیماری اور تکلیف: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ آپ کا کوئی ایسا علاج کیا جائے جس سے آپ کی تکلیف میں کچھ کمی آسکے، آپ پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی، چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیس نے ایک مشروب تیار کیا جس کے بنانے کا طریقہ انہوں نے اس زمانہ میں سیکھا تھا جس زمانہ میں وہ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے وہ دوا آپ کے منہ میں اس وقت ڈالی جب آپ بخار کی شدت کی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں تھے پھر جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ اور تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ کے چچا حضرت عباس نے آپ سے فرمایا: اے اللہ کے رسول ہمیں ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو

ذات الجنب کی بیماری ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسی بیماری ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ مجھے مبتلا نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ جو دوا آپ کے لئے بنائی گئی تھی وہ گھر میں موجود سب افراد کھائیں سوائے آپ کے چچا حضرت عباسؓ کے چنانچہ سب نے اس کو کھایا حتیٰ کہ حضرت میمونہ نے بھی جو اس دن روزے سے تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے ان صحابہ سے جو آپ کی عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے —— فرمایا: لاؤ میں تمہارے لئے کوئی ایسی کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز بھی گمراہ نہ ہوگے۔ حاضرین میں سے بعض حضرات نے یہ چاہا کہ قلم اور کاغذ لے آئیں تاکہ ان تعلیمات اور ارشادات کو لکھ لیا جائے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکھوانا چاہتے ہیں لیکن بعض دوسرے حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے یہ چاہا کہ آپ پر بوجھ نہ ڈالا جائے اور قرآن کریم (اور احادیث) میں جو تعلیمات اور ارشادات اور نصیحتیں موجود ہیں ان پر اکتفا کیا جائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ان سات دیناروں کے بارے میں دریافت فرمایا جو مسلمانوں کے مال میں سے آپ کے پاس تھے اور آپ نے اپنے گھر والوں کو بیماری کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ان کو صدقہ کر دیا جائے لیکن آپ کی تیمارداری کی مشغولیت نے ان کو آپ کے

tohfaelibrary

اس حکم کے نافذ کرنے کو بھلا دیا تھا چنانچہ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں نے ان سات دیناروں کا کیا کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے اللہ کے رسول وہ تو اب تک موجود ہیں تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دینار لائے جائیں چنانچہ جب وہ لے آئیں تو آپ نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا کہ اگر یہ میرے پاس موجود ہوں اور میں دنیا سے چلا جاؤں تو اپنے رب سے کیا کہوں گا، پھر آپ نے ان سب کو لے کر فقراء پر صدقہ کر دیا۔

اسی رات جو کہ بارہ ربیع الاول سنہ گیارہ ہجری کی پیر کی شب تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت میں کچھ کمی آئی اور بخار کی شدت میں اضافہ ہوا اور یہ رات آپ نے سکون اور آرام سے گذاری جس کو دیکھ کر آپ کے اہل وعیال خوش ہو گئے اور انہوں نے سکون واطمینان کا سانس لیا۔

جب صبح ہوئی تو آپ میں اتنی قوت آ گئی کہ آپ اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب اور فضل بن عباس کے سہارے سے مسجد جا سکیں، آپ جب مسجد پہنچے تو اس وقت حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، لوگوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا تو خوشی و سرور کے مارے ان کی یہ کیفیت تھی کہ نماز توڑ کر آپ کے استقبال کو دوڑ پڑیں، اس صورت حال کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے اشارے سے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی نماز میں مشغول رہیں۔

tooba-elibrary

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تاکہ آپ امامت کرائیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہو۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ان کے دائیں جانب بیٹھ کر آپ نے نماز پڑھی۔

جب نماز مکمل ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنی بلند آواز سے جسے مسجد کے باہر کے لوگ بھی سن لیں آپ نے ان سے فرمایا! اے مسلمانو! خدا کی قسم میں نے وہی حلال کیا ہے جو قرآن کریم نے حلال کیا اور میں نے اسے ہی حرام قرار دیا ہے جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا اور خدا کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے اپنی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

اے مسلمانو! میں نے جس کی پشت پر ناحق مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے اسے چاہیے کہ اس کا بدلہ لینے کے لئے مجھے مار لے اور جس کو میں نے برا بھلا کہا ہو اسے چاہیئے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے برا بھلا کہہ لے اور میں نے جس کا مال لیا ہو اس کو چاہیئے کہ میرے اس مال میں سے لے لے جو اس کے لئے حاضر ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے

کہا: اے اللہ کے رسول میرے تین درہم آپ پر آتے ہیں. چنانچہ آپ نے ان کو تین درہم دے دیئے.

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ حضرت عائشہ کے گھر اس حالت میں واپس تشریف لے گئے کہ آپ مسلمانوں کو مسرور دیکھ کر خوش تھے اگرچہ آپ یہ محسوس کر رہے تھے کہ آپ کا جسم نہایت کمزور ہو چکا ہے اور آپ اتنے نحیف ولاغر ہو چکے تھے کہ آپ کی ٹانگیں آپ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتیں.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کی اس ظاہری حالت وکیفیت کو دیکھ کر مسلمان بہت خوش ہوئے اور خوشی وسرور کی حالت میں ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے تھے اور سرور وخوشی ان کی نفوس وقلوب میں سرایت کر گئی تھی اور حضرت اسامۃ بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں الوداع کہنے اور لشکر کے لے جانے کی اجازت مانگنے کے لئے تشریف لائے.

حضرت ابوبکر کے بعض اہل خانہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر رہتے تھے ان کے پاس جانے کے لئے حضرت ابوبکر اجازت مانگنے آئے.

اور مسلمان اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے اور اپنی اپنی ضروریات کے لئے روانہ ہو گئے اس لئے کہ سب کے سب مطمئن ہو چکے تھے دلوں کو قرار اور نفوس کو آپ کی صحت کی طرف سے اطمینان نصیب ہو گیا تھا.

ان ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر میں رہا

tohfa-e-libra

کرتے تھے اور ایک ایک لمحہ آپ کا ضعف اور کمزوری بڑھتی جا رہی تھی اور صحت کی وہ علامات اور عافیت و تندرستی کی وہ نشانیاں ختم ہوتی جا رہی تھیں جو صبح کو مسلمانوں نے آپ پر دیکھی تھیں۔

آپ آرام فرما رہے تھے اور آپ کے پاس ہی ٹھنڈے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا جس میں وقتاً فوقتاً آپ اپنا دستِ مبارک بھگو کر اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے اور اس طرح سے بخار کی شدت اور تیزی اور جون کے جھلسا دینے والے تھپیڑوں سے کچھ نجات حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھمی تھی، ان کے ہاتھ میں مسواک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے دیکھا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کر لیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول کیا آپ یہ مسواک لینا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی سے وہ مسواک لے لی اور چبا کر نرم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ آپ نے مسواک لی اور اسے استعمال فرمایا اور پھر ایک طرف رکھ دی۔

اس کے بعد ایک روز نہایت خوفناک گھڑی گذری۔ حضرت عائشہ اس

وقت نہایت گھبراہٹ اور دہشت اور پریشانی کے عالم میں تھیں اور ٹکٹکی باندھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکے جا رہی تھیں۔ آپ نے اپنا سر مبارک ان کی گود میں رکھا ہوا تھا اور حضرت عائشہ اس بات کی خواہشمند تھیں کہ صبح کی طرح اس وقت بھی آپ کے چہرے پر صحت کے کچھ آثار نظر آ جائیں اور دل کو اطمینان نصیب ہو یا آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نکلے جس سے کچھ امید قائم ہو اور سہارا مل جائے لیکن انہوں نے یہ محسوس کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور آپ کے منہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہ سنا کہ

اللّٰھم أعنی علی سکرات الموت اے اللہ موت کی سختی پر میری مدد فرما

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کیا کہ ان کی گود میں رکھا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھاری ہوتا جا رہا ہے۔ چہرے پر جب غور سے نگاہ ڈالی تو کیا دیکھا کہ آپ کی نگاہ اوپر کو اٹھی ہوئی ہے اور آپ یہ فرما رہے ہیں:

بل الرفیق الأعلی من الجنة بلکہ جنت میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں

خوف اور ذہول کے عالم میں حضرت عائشہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا آپ کو اختیار دیا گیا اور آپ نے جنت پسند فرما لیا۔ صدمہ کی شدت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھلا دیا کہ:

«إِنَّكَ مَيِّتٌ وَ إِنَّهُم مَّيِّتُونَ» آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

(الزمر — ۳۰)

چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو تکیہ پر رکھا اور دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر رونے لگیں۔

کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے کوچ فرما گئے ہے؟!!

یہ سوال ہر اس مسلمان کی زبان پر تھا جو اس غمناک و المناک تکلیف دہ خبر کو سنتا تھا جو لوگوں میں آناً فاناً پھیل چکی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھلا اتنی جلدی کس طرح وفات پا سکتے تھے جبکہ کچھ گھنٹے قبل وہ ان کے ساتھ مسجد میں تھے اور وہ آپ کا دیدار کر رہے تھے اور آپ کی گفتگو سن رہے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں؟!

وہ تو اللہ کے ایسے محبوب بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کے پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا تھا اور آپ کے دستِ مبارک پر بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وفات پا سکتے ہیں؟! جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایسی روحانی قوت کے مالک تھے جس نے تمام عالم کو

tooba-elibrary

جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا اور جن کے ذریعہ سے ایسا عظیم الشان انقلاب آیا تھا جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کس طرح رخصت ہو سکتے ہیں؟! اس لئے کہ آپ تو وہ ذات ہیں جنہوں نے لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکالا اور گمراہی سے ہدایت کی جانب رہنمائی کی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وفات پا سکتے ہیں؟! اس لئے کہ آپ کی وفات سے وحی کا وہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا جو آپ سے قبل کسی بھی رسول کی وفات سے منقطع نہیں ہوا تھا۔

یہ دردناک خبر لوگوں میں پھیل گئی اور حضرت عمر بن الخطاب نے جب یہ خبر سنی تو انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی اور جلدی سے حضرت عائشہ کے گھر گئے اور گھر میں داخل ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ میں کوئی حس و حرکت نہیں ہے تو وہ یہ سمجھے کہ آپ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہے جو کچھ دیر بعد ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ مسجد کے اندر رونے والوں اور غم زدہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور تلوار اٹھا کر ہر اس شخص کو قتل کی دھمکی دی جو یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمر نے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا: اے لوگو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول انتقال فرما گئے ہیں! خدا کی قسم ان کا انتقال نہیں ہوا

ہے بلکہ وہ حضرت موسیٰ بن عمران کی طرح چالیس دن تک غائب رہیں گے اور پھر واپس لوٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کا مواخذہ کریں گے اور سزا دیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکر جب گئے تھے انہیں وہیں یہ خبر پہنچی اور وہ سیدھے واپس آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو سنا کہ حضرت عمر یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے اور دیکھا کہ لوگوں پر ذہول کی کیفیت طاری ہے اور وہ غم میں مبتلا ہیں مایوسی ان پر چھائی ہوئی ہے اور کبھی کبھی ان پر امید غالب آجاتی ہے یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابوبکر نہ مسجد میں ٹھہرے اور نہ حضرت عمر کی گفتگو کی طرف توجہ دی بلکہ جلدی سے حضرت عائشہؓ کے گھر گئے اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو ان سے کہا گیا کہ آج کسی کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑا پڑا ہوا ہے۔ فوراً آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑے کو ہٹایا اور آپ پر جھک کر آپ کو بوسہ دینے لگے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا اور یہ فرمانے لگے!

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں، آپ زندگی میں بھی کتنے پاکیزہ اور اعلیٰ تھے اور وفات کے بعد بھی کتنے

عمدہ اور پاکیزہ ہیں بے شک یہ موت اللہ نے آپ کے لئے لکھی ہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اس کو جھیل لیا اب اس کے بعد آپ کو پھر کبھی بھی موت نہ آئے گی۔

وہاں سے حضرت ابوبکر مسجد نبوی تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عمر لوگوں سے گفتگو میں مشغول ہیں اور مسلسل یہ بات دہرا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو آواز دی اور فرمایا: اے عمر ذرا ٹھہرو مجھے بھی بات کرنے کا موقعہ دو اور تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہو۔

لیکن حضرت عمر پر کچھ اس قسم کی کیفیت طاری تھی کہ وہ خاموش نہ ہوئے اور لوگوں سے اس موضوع پر گفتگو جاری رکھی تو حضرت ابوبکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو اشارہ سے بتلایا کہ وہ ان سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں چنانچہ تمام حضرات ان کے اردگرد جمع ہو گئے تاکہ ان کی بات سن سکیں۔ انہوں نے فرمایا: اے لوگو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و پوجا کرتا ہو تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔

اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل کلام تلاوت فرمایا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلٰى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى
عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا
وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ﴾
(آل عمران ۔ ۱۴۴)

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے
بہت سے رسول گذر چکے پھر کیا اگر وہ
مر گئے یا مارے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر
جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے
گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا
اور اللہ ثواب دے گا شکر گذاروں
کو۔

اس دردناک و غمناک موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ پر حکمت خطبہ دیا، لوگوں نے جب یہ تقریر سنی تو انہیں اس تلخ حقیقت کا اندازہ ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

مسلمانوں کے وہ دل جو ایمان و اخلاص اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت اور وفاداری سے لبریز تھے انہوں نے شروع میں آپ کی وفات کا انکار اس دہشت اور غم اور پریشانی کی وجہ سے کیا تھا جو ان پر اس حادثہ جانکاہ کی وجہ سے چھا گئی تھی لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالٰے کے اس فرمانِ مبارک کو تلاوت فرمایا تو وہ حق کی جانب لوٹ آئے اور ذہول کی کیفیت ان سے دور ہو گئی اور اس بات کو جان لیا کہ آپ کی وفات کا صدمہ ایک حقیقت ہے اور یہ حادثہ جانکاہ ایک شدید تلخ ابتلاء و آزمائش ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی اور ساتھ ہی وہ آیت بھی جو انہوں نے تلاوت فرمائی تھی تو انہوں نے بنہایت وثوق سے یہ بات سمجھ لی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے یہ آیت آج سے قبل کبھی نہ سنی تھی۔

اس صدمہ کی وجہ سے حضرت عثمان بن عفان بالکل گنگ اور گم صم ہو گئے اور صدمہ کی شدت سے بات تک کرنے سے عاجز آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس موقعہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے چہروں پر پردے ڈال دئے گئے تھے اور پھر وہ ہٹا دئے گئے۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم فضل واحسان تھا کہ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدم رہے اور اس دردناک تکلیف دہ واقعہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو نہایت زبردست قوت وطاقت اور عظیم صبر وتحمل عطا فرمایا، یہ ایسا ہولناک دردناک وقت تھا کہ جس میں قریب تھا کہ مسلمانوں کی عقلیں ماری جائیں اور افکار منتشر ہو جائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں سے زیادہ اس سانحہ جانکاہ کو برداشت کرنے کی قوت نہ رکھتے تھے لیکن بات دراصل یہ تھی کہ انہوں نے اس واقعہ سے پہلے ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب

رخصت ہونے والے ہیں اور تمام مسلمانوں سے کافی پہلے اور آپ کی وفات سے قبل ہی وہ اس حادثہ کے تصور سے زار زار آنسو بہا چکے تھے۔

مسلمانوں نے ایک دوسرے سے سوال کرنا شروع کیا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر زندگی کیسے گذرے گی؟! اور اب مسلمانوں کی کیا حالت ہو گی؟! اور مسلمانوں کے امور و معاملات کا ذمہ دار اور ان کا قائد و رہنما کون ہو گا؟ حضرت اسامہ اپنے اس لشکر کو لے کر واپس لوٹ آئے جسے انہوں نے مدینہ منورہ کے باہر ٹھہرایا ہوا تھا اور مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے اپنا جھنڈا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ کے سامنے گاڑ دیا اور اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ اب مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار کون ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال نے اس مکان کا دروازہ بند کر لیا تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ دوسری طرف ایک دوسرے سے سوال کرنے والے انصاری مسلمان حضرت سعد بن عبادہ کے پاس جمع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب کے ارد گرد اکٹھا ہو گئی اور کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکر و عمر سے کہا: اے ابوبکر و عمر انصار ایک جگہ اکٹھا ہوتے ہیں تاکہ اپنے میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر منتخب کر لیں۔ اگر آپ لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات سے کچھ لگاؤ ہے تو آپ لوگ بات بڑھنے سے

قبل ہی لوگوں سے رابطہ قائم کر لیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر اور بعض دوسرے مہاجرین اس جانب روانہ ہو گئے جہاں انصار اکٹھے تھے وہاں دونوں فریقوں میں کچھ بحث مباحثہ ہوا، کچھ مناظرہ اور سوال جواب ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوبکر اپنا ہاتھ پھیلائیے۔ حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو حضرت عمر نے فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد دوسرے مہاجرین و انصار نے بھی بیعت کر لی۔

اور دوسرے دن تمام مسلمانوں نے مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اس سلسلہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر کی اس وفاداری، محبت، اخوت، طویل صحبت اور اسلام لانے میں اوّلیت کو مدنظر رکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عہد کو بھی اپنے سامنے رکھا جو آپ نے نماز کے لئے ان کو آگے فرما کر تمام مسلمانوں سے لے لیا تھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جیسے معاملہ میں اپنا نائب اور جانشین بنایا ہے وہی شخصیت خلافت و امارت میں بھی آپ کی جانشینی اور نیابت کا حق رکھتی ہے)

اس کے بعد مسلمان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین و تدفین کو مکمل کر دیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس جگہ دفن کیا جائے؟ بعض حضرات نے کہا کہ آپ کو آپ کی مسجد میں ہی دفن کر دیا جائے اور بعض حضرات نے کہا کہ آپ کو آپ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ بعض حضرات نے کچھ اور مشورہ دیا۔ اخیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا قطعی اور آخری فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی بھی نبی کی روح قبض نہیں کی گئی مگر یہ کہ اس کو وہیں دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی تھی۔

یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بستره اٹھایا گیا جس پر آپ کی روح قبض کی گئی تھی اور اس جگہ آپ کے لئے قبر کھودی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں نے آپ کو قمیص پہنے ہی غسل دیا۔ حضرت اسامہ بن زید اور آپ کے آزاد کردہ غلام شقران نے آپ کے اوپر پانی ڈالا اور حضرت علی نے غسل دیا اور وہ آپ کی خوشبو و مہک سونگھتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے تھے: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں نہایت خوشبودار و معطر ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دیا جا چکا تو تین کپڑوں میں

آپ کو کفن دیا گیا اور پھر مسلمانوں کے لئے دروازے کھول دیئے گئے اور وہ فوج در فوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام والوداع کہنے اور نماز پڑھنے کے لئے داخل ہونے لگے۔

لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔

اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں، ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیا اور آپ نے مسلسل جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے نصرت و فتح مکمل کر دی اور آپ نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا اور ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، تمام مسلمان حضرت ابو بکر کی بات سن کر اس پر آمین آمین کہہ رہے تھے۔

مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں اس حالت میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی کہ کوئی بھی شخص ان کا امام نہ تھا۔ جب مرد نماز سے فارغ ہو گئے اور اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری الوداع کہہ چکے تو عورتوں کو داخل کی اجازت دی گئی پھر بچوں کو آنے دیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرتے جاتے اور آپ کو الوداع اور سلام کرتے جاتے تھے اور پھر وہاں سے سب اس حالت میں باہر آ رہے تھے کہ ان کی آنکھوں سے

tohfaelibrary

آنسو جاری تھے اور ان کے دل غم واندوہ کی وجہ سے بجھے جا رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں اس کمرے کے برابر ہی رہیں جس کمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بنائی گئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کی سعادت بخشی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم نافذ فرمایا جو رومیوں سے جنگ کے لئے حضرت اسامہ کی سربراہی میں لشکر بھیجنے سے متعلق تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کی زندگی میں تشریف لائے اور اس سے بالکل بے رغبت رہے اور اسی حالت میں اس دنیا کی زندگی کو خیر باد کہہ گئے اور اپنے عمل سے اپنے اس فرمانِ مبارک کو عملی جامہ پہنا گئے:

مالی وللدنیا، والذی نفس
محمد بیدہ ما مثلی ومثل
الدنیا إلا کراکب سار فی یوم
صائف، فاستظل تحت شجرة
ساعة من نہار ثم

میرا اور دنیا کا کب تعلق اور جوڑ ہے،
قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت
میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے
میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے
جو گرم دن میں چلے اور پھر تھوڑی دیر

راح وترکھا۔	کے لئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جائے اور پھر اسے چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو جائے۔

دینِ اسلام تمام ادیان و مذاہب کے بعد میں آنے والا اور ان کو ختم کرنے والا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جس پر اللہ تعالےٰ نے آپ کو مامور کرکے بھیجا تھا وہ بھی تمام رسولوں کے بعد میں آنے والی اور تمام انبیاء و رسولوں کے لئے خاتمہ تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد میں آنے والے اور سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے رسول تھے اور اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا:

((مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ))۔	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب انبیوں کے ختم پر ہیں)۔

(الاحزاب۔ ۴۰)

اللہ جل شانہٗ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے اور راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اس کتاب کو پڑھیے، بچوں کو پڑھائیے اور نونہالوں کو مستقبل کا صحیح معمار بنائیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین۔

کتبہٗ
محمد حبیب اللہ مختار

۲۲/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

۲۱/ ۹/ ۱۹۹۲ء

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کی چند اہم تصانیف و تراجم

فرزند مومن باپ کے نام	اصلاح معاشرہ اور اسلام	راہ ہدایت و عمل	مقدس باتیں
رسول اکرم کی بچوں کو وصیتیں	نصیحتیں اور وصیتیں	جہاد	اسلامی آداب معاشرت دو حصے
تعلیم الاسلام	مناجات سید احمد العلاوی	شادی بیاہ کی رسمیں اور اسلامی تعلیمات میں ان کا حل	سنت نبویہ اور قرآن کریم
السنة النبوية ومكانتها في ضوء القرآن الكريم	كشف النقاب عما يقوله الترمذي وفي الباب	الإمام الترمذي وشرح كتاب الطهارة من جامعه	القصائد البنورية
جهود مدرسة ديوبند الاصلاحية في ضوء المقالات البنورية	مجربات بنوریہ	اسلام اور تربیت اولاد	المقدمات البنورية
جنت کی چالیس راہیں	اسلام اور شادی	علماء مبلغین مجاہدین کے نام	قلب قیمت روپے
اطاعت والدین	جنت کی نعمتیں اور ان تک پہنچنے کا راستہ	اللہ تبارک تعالیٰ کے پیارے نام	مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں
جنت	دوزخ	چالیس حدیثیں	بصائر و عبر دو حصے
مجموعہ سیرت الرسول	مسلمان نوجوان	ہمارا معاشرہ	کتاب الآثار
منتخب ریاض الصالحین	دل کو موم کیجئے	اسلام اور مزدور	عورت اور معاشرہ
غربت اور فقر و فاقہ	دولت اور زندگی برائے اطاعت خداوندی	لالچ آرزو اور صبر و توکل	تقویٰ اور ریاکاری خوف اور گریہ زاری
حالات کی تبدیلی اور وعظ و نصیحت	تواضع اور گوشہ نشینی	فضائل اعمال	خطبات جمعہ، عیدین، نکاح

ناشر: دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵۰۰

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کی چند اہم تصانیف و تراجم

کشف النقاب عما یقولہ الترمذی وفی الباب	القصائد البنوریۃ	المقامات البنوریۃ	الامام الترمذی وتخریج کتاب الطہارۃ من جامعہ
السنۃ النبویۃ ومکانتہا فی ضوء القرآن الکریم	جماعۃ دیوبند الاسلامیۃ فی ضوء المقالات البنوریۃ	اسلام اور تربیت اولاد ۲ جلدیں	اصلاح معاشرہ اور اسلام
مقدس باتیں	سنت نبویہ اور قرآن کریم	جہاد	تعلیم الاسلام ۴ حصے
مجربات بنوریہ	اسلامی آداب معاشرت ۲ حصے	بصائر وعبر ۲ جلدیں	مجموعہ سیرت الرسول ۲۰ حصے
مسلمان نوجوان	شادی میں رکاوٹیں اور اسلام کی روشنی میں ان کا حل	اسلام اور شادی	کتاب الآثار
ہمارا معاشرہ	منتخب ریاض الصالحین	جنت کی چالیس [illegible]	قلب
علماء مبلغین اور مجاہدین کے نام	جنت کی نعمتیں اور ان تک پہنچنے کا راستہ	اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے نام	مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں
جنت	دوزخ	اطاعت والدین	[illegible] باپ کے نام
راہ ہدایت وعمل قیمت روپے	رسول اکرمؐ کی پچیس نصیحتیں قیمت روپے	نصیحتیں اور وصیتیں	چالیس حدیثیں
اسلام اور مزدور	عورت اور معاشرہ	خطبات جمعہ، عیدین، نکاح	دل کو موم کیجئے
مناجات سید احمد العلاوی	غربت اور فقر وفاقہ	دولت اور زندگی برائے اطاعت خداوندی	نام و نمود اور ریاکاری خوف اور گریہ زاری
حالات کی تبدیلی اور وعظ ونصیحت	تواضع اور گوشہ نشینی	فضائل اعمال	دنیا کی آرزو اور صبر وتوکل

ناشر: دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۷۴۸۰۰